

# ہمارا ادب



جموں اینڈ کشمیر ایڈمیٹس آف آرٹ کلچر اینڈ ٹیکنالوجی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri





ہمارا ادب

(اولیٰ نمبر)

نگار

پرستش

قدیم

لاشع

محمد علی شاہ صاحب دکنی پرنٹنگ پریس





# ہمارا ادب

— (اولیاءِ غبر، ۵) —

نگراں —

بلونت ٹھاکر

قدیر —

محمد اشرف طاہر

جموں اینڈ کشمیر کی طبیعتی آفات کا کلچر اینڈ مینجمنٹ سوسائٹی

© ناشر: سیکریٹری، جموں کشمیر کلچرل اکادمی، سرنیگر۔

مکتبت: عبدالسلام بیٹ، محمد انور لولابی

سرورق: جی، احمد

مطبع: میکاف پرنٹرس، دہلی

ہمارا ادب میں جو مضامین شائع ہوتے ہیں انہیں  
ظاہر کی گئی آراء سے اکیڈمی یا ادارے کا کٹلا یا جزو  
اتفاق ضروری نہیں

خط و کتابت کا پتہ

محمد اشرف ٹاک

انچارج ایڈیٹر

جے اینڈ کے اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ ٹیلنٹ کو بیز

لال منڈی سرنیگر کشمیر ۱۹۰۰۰۸



# فہرست

۴	محمد اشرف ٹاک	حرفِ آغاز
۷	سید شمس الدین غمگین	سید میر میرک اندرابی
۲۶	غلام رسول بٹ	بی بی تاج خاتون
۳۷	غلام نبی آتش	بابا رجب الدین ریشی
۴۷	غلام رسول جان	مولانا حسن آقائی
۵۱	غلام رسول بٹ	بابا عثمان اوچپ گنئی
۶۸	زُبیدہ جان	حاجی داؤد بلخی
۷۰	غلام رسول جان	شاہ قاسم حقانی
۷۹	سیدہ رقیہ	شیخ بہاؤ الدین گنج بخش
۹۸	مفتی محمد مقبول	خواجہ معین الدین نقشبندی
۱۰۵	عبدالمجید سائیر	میر بابا حیدر تیلہ مولیٰ
۱۳۹	شوکت حسین کینگ قادری	بابا شیخ محمد اشرف فتحگدی
۱۵۵	سیدہ رقیہ	شیخ محمد مراد ٹنگ
۱۷۱	حسام الدین بے تاب	مولانا سید حبیب اللہ شاہ بخاری نقشبندی

## حرف آغاز

”ہمارا ادب“ کے اولیاءِ نمبر کی پانچویں جلد آپ کے ہاتھوں میں قدرے تاخیر سے پہنچ رہی ہے۔ ہمارے سامنے کون سی دشواریاں حائل تھیں، اُن کا تذکرہ کر کے ہم قارئین کی طبیعت کو مکدر نہیں کرنا چاہتے، البتہ معذرت خواہ ضرور ہیں۔ ساتھ ہی ہمیں اس بات کی خوشی بھی ہے کہ اولیاءِ نمبر کی گزشتہ چار جلدوں کی خاطر خواہ پذیرائی ہوئی ہے اور ان میں شامل بیشتر مضامین کئی بڑے ریسرچ پروجیکٹوں کی بنیاد ثابت ہوئے ہیں۔ کشمیر کی تہذیبی اور تمدنی پرداخت میں اولیائے کرام کے رول کو کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ہماری اس سیریز کا سب سے بڑا مدعا یہی ہے کہ کشمیر کی تاریخ اور تمدن کے اس گوشے کو اجاگر کیا جائے جس کی ابھی وضاحت کے ساتھ صراحت نہیں کی گئی ہے، لیکن اس میں سب سے بڑی دشواری مستند مواد کی عدم دستیابی ہے اس وجہ سے اس بحرِ بیکراں کو کھنگالنا کوئی آسان کام نہیں۔ ضعیف روایات، موهوم حوالوں، متضاد بیانات اور مبالغہ آمیز کشف و کرامات کو لیکر اگرچہ بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن ہمارا مطلق نظر اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ زیرِ نظر جلد میں حضرت سید میرک اندابی کے احوال و آثار پر سید سید الیغینی



کا ایک مضمون شامل ہے غمگین صاحب نے پیرانہ سالی علالت اور نقاہت کے باوجود ہمارے سیم اصرار پر یہ مضمون سپرد قلم کیا۔ جب ادارے کو غمگین صاحب کا یہ مضمون موصول ہوا تو اس کے کچھ دنوں بعد ہی وہ اس دافانی سے رحلت کر گئے۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔ چنانچہ مضمون کی افادیت کے پیش نظر اور اس میں کچھ تشنگی محسوس کرتے ہوئے جناب محمد احمد ندوی، سابق مدیر اعلیٰ نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہر کرتے ہوئے مذکورہ مضمون پر مسوط و مرلوب حواشی ضبط تحریر میں لا کر اس کی گہرائی اور گیرائی میں اضافہ کیا۔

جناب عبدالمجید سائر نے بصارت کی کمزوری اور چلنے پھرنے سے لاچار ہونے کے باوجود حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰؒ سے متعلق ایک پُر مغز تحریر ہمیں عنایت کی ہے جس سے بعض غلط فہمیوں کا ازالہ ہونے کے ساتھ ساتھ تحقیق اور تجسس کے کئی دروازے کھل جاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت بابا عثمان اوچپ گٹائیؒ اور حضرت تاج بی بی خاتونؒ پر مضامین لکھ کر بزرگ محقق جناب غلام رسول بٹ نے تاریخ کشمیر کے کئی محفی گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔

اولیاءِ غیب کی گزشتہ جلدوں میں کشمیر کے ریشیانِ کرام کے بارے میں کئی مضامین شائع کئے گئے ہیں۔ زیرِ نظر جلد میں اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے حضرت بابا رحب الدین ریشی کی حیات اور سیرت پر قلم اٹھایا گیا ہے کہ کس طرح حضرت بابا عبادت و ریاضت اور رزقِ حلال پر خاص زور دیا کرتے۔ انہوں نے مانگ کر کھانے یا نذر و نیاز پر تکیہ کرنے سے اپنے مریدوں کو سخت منع کر رکھا تھا اور محنت مزدوری کر کے کسبِ حلال کرنے کی ہمہ وقت نہ صرف تلقین کرتے بلکہ عملی طور اس کا مظاہرہ بھی کیا۔ انہوں نے ایک لمحہ بھی سنتِ نبویؐ کی متابعت کے بغیر نہیں گزارا۔ اسی طرح شیخ محمد مراد ٹانگ، بابا شیخ محمد اشرف فتح پوریؒ اور مولانا سید حبیب اللہ شاہ بخاری نقشبندیؒ جیسے مقتدر

اولیائے کرام کے علمی اور ادبی کارناموں کا کبھی کسی قدر احاطہ کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ چند صفحات کے مضامین میں ان حضرات کی حیات، علمی اور ادبی کارناموں کا احاطہ کرنا ناممکن ہے لیکن اس سے تحقیق کی نئی راہیں استوار ہو جاتی ہیں تاکہ اولیائے کرام کے تالیف کئے ہوئے گوہر پاروں میں نہاں کشمیر کے تاریخی اور ثقافتی خزانوں سے بھرپور استفادہ کیا جاسکے۔

ڈاکٹر غلام رسول جان، ڈاکٹر سیدہ رقیہ، ڈاکٹر زبیدہ جان اور دیگر فاضل قلم کاروں نے ہماری استدعا کو شرف قبولیت بخشے ہوئے کشمیر کی بعض ایسی بزرگ ہستیوں پر اپنے مضامین ارسال کئے ہیں جنہوں نے تاریخ کشمیر پر اپنے گہرے نقوش ثبت کئے۔ یہ مضامین قارئین کرام کے لئے یقیناً دلچسپی کا باعث ہوں گے۔

ہماری یہ خواہش ہے کہ ”اولیائے کشمیر“ کے اس سلسلے کو مزید آگے بڑھایا جائے لیکن اس کیلئے قلم کار حضرات کا تعاون شرط اولین ہے۔ اس جلد میں شامل مضامین کے بارے میں ہمیں آپ کی آراء کا انتظار رہے گا۔

• — محمد اشرف ٹاک





## سید میر میرک اندرابی

قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کی صوفیانوں کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کا فضل و کرم ہے کہ سرزمین کشمیر بھی اولاً حضرت سید عبدالرحمن قادری المعروف بلبل شاہ صاحب اور ثانیاً حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کی شفقتوں سے مشرف باسلام ہوئی۔ انہی فیوضات کے طفیل اس شاداب بوستان اسلام کی نگہداشت کے لئے حضرت امیر کبیرؒ نے حضرات سادات کرامؒ کا ایک وسیع کارواں منتخب کر کے اپنے ساتھ لایا اور انہیں یہاں دور دور تک جگہ جگہ بسایا۔ تاریخ کے متعدد حوالوں سے ان کی تعداد سات سو تک درج ہے اور تب سے ہی فقہ اُستمسک بالعروة الوثقی کے ناطے اہل اسلام مستفید ہوتے رہے۔

انہی سادات کرامؒ میں سے حضرت سید احمد اندرابیؒ اپنے مامول جان حضرت امیر کبیرؒ کے ساتھ کشمیر میں جلوہ افروز ہوئے۔ پچیس واسطوں سے انکا

رتنی پورہ - میلوامہ - کشمیر

شجرہ نسب حضرت شاہ ولایت علی المرتضیٰ رضی سے جاتا ہے۔ حضرت سید محمدؒ  
میں واصل باللہ ہوئے اور مزار سلاطین کلان میں آسودہ ہیں۔ شجرہ یوں ہے۔

سید احمد اندرابی

سید محمد اعز الدین اندرابی

۸۵۰ھ میں انتقال فرمایا اور حاجی پیر محمد شاہ صاحب  
صراف کدل کے صحن میں آسودہ ہیں۔

سید بدر الدین اندرابی

۸۹۰ھ میں انتقال فرمایا اور حاجی پیر محمد شاہ صاحب  
صراف کدل کے صحن میں آسودہ ہیں۔

سید شمس الدین اندرابی

۱۷ رجب ۹۳۲ھ میں وصال فرمایا۔ اندرون قلعہ پاتین  
موری آسودہ ہیں۔

سید محمد میر میرک اندرابیؒ

ولادت ۹۲۱ھ - ۵ صفر ۹۹۰ھ میں وصال فرمایا۔ روضہ مبارک  
طارقہ شریفہ میں ہے۔

سید محمد اندرابی سید احمد قاسم سید یوسف عرف اسماعیل  
اندرابی اندرابی

حضرت سید محمد میر میرک اندرابیؒ کے یہ تین فرزند ہیں۔ انہی کی



حضرت سید محمد میر میرک اندرابیؒ اپنے والد محترم کے وصالِ حق کے وقت بہت کم عمر تھے۔ لیکن اس کم عمری کے باوجود بھی معصومِ حلیہ مبارک سے رُشد و ہدایت اور زہد و تقویٰ کے پُر وقار اور باسعادت آثار نمایاں تھے۔ چھوٹی عمر ہی میں انہوں نے فقہِ احناف اور تفسیر کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت سید اعلیٰ پایہ کے عابد، متقی اور خدا دوست مرثی بھی تھے۔ عرفانِ حق کے مطیع بھی تھے اور مطاع بھی تھے۔ سلسلہِ اولیسی سے وابستہ اور فیضِ یاب تھے۔

علامہ دہر اور عارف باللہ حضرت بابا داؤد خاکیؒ قصیدہ لامیہ میں

رقم سطر از ہیں ۷

شیخ و سید میر میرک ہم اولیسی بودہ است  
آنکہ در تقویٰ است حالا مفر سادات و آل  
بارہا چوں صحبتِ آن شیخ و مرشد دست داد  
در بیان آورد این معنی خود آن صاحب کمال

حضرت سید میر میرکؒ کے ہم عصر اولیاء اکثر آپ کے پاس آیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت محبوب العالم سلطان العارفین شیخ حمزہ بھی ان کے ہاں تشریف فرما رہتے تھے۔

حضرت سید اولیسی طبقہ کے اولیاء میں شمار ہوتے ہوئے بھی سلسلہ قادریہ میں بواسطہ حضرت سید شاہ نعمت اللہ قادریؒ حصارِ فیض یافتہ تھے۔

میرک آن سید مکرم بود      پیرو راہ غوث الاعظم بود  
فیضِ حق بر سرش ز عالم غیب      میر سیدی بغیر شبہ و ریب

تا کہ در خواص گاہ و گاہ شہر      بہر شہر شاہ نعمت اللہ شہر

آنکھ اوسید حصاری بود      رہبر خلق خاص باری بود  
ظاہراً پیر طاہرش اوشد      رہبر راہ بارہش اوشد  
گشت پیوند دوستی محکم      ہر دور از پیام و نامہ بہم  
یعنی از راہ نامہ و پیغام      میر میرک ازو رسید بکام  
راہ دین ہدی ہویدا شد      خاک کشمیر ارض بطحا شد  
عالی گشتہ کامیاب ازو      یافتہ خلق فتح باب ازو  
للہ الحمد در جوار ویم      از غلامان خاکسار ویم

حضرت سید محمد میر میرک اندرابیؒ ۹۲ھ میں تولد ہو کر اکثر برس کی عمر میں ۵ ماہ صفر المظفر ۹۹ھ میں واصل بحق ہوئے۔ تب سے متواتر ان کا یوم وصال پورے عقیدت و احترام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ ان کے عقیدت مندوں میں امراء و سلاطین وقت بھی تھے۔ مگر انہوں نے بارہا ان امراء و سلاطین کی پیشکش ٹھکرائی۔ کیونکہ صرف فضل اللہ و توکل علی اللہ سے دل و جان کو محو و مشغول رکھنا انہیں پسندیدہ تھا۔ فقر و فاقہ اور ترک لذات میں رہنا انہیں زیادہ عزیز تھا۔ ان امراء کا کوئی بھی تحفہ یا نقد و جنس کبھی بھی اپنے مصارف میں استعمال نہیں فرمایا۔ یہ سب کچھ مستحقین میں بانٹتے رہتے تھے۔

ایک دن سلطان وقت نے اپنی خوشی کے ناطے اُن کے بیٹے سید احمد قائم کو باہر سے ہی ایک شاہانہ پوشاک پہنائی۔ جو نہی سعادت مند بیٹا یہ پوشاک پہنے حضرت سید میر میرکؒ کے کمرے میں داخل ہوا تو حضرت سیدؒ کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ دروازے کے اندر آتے ہی گم سم لباس و حرکت قیام میں ہی معلق ہو گئے حاضرین مجلس نے جو نہی حضرت سیدؒ کا یہ عیض و غضب تاڑ لیا تو وقت ضائع



کئے بغیر انہوں نے فوراً اس کی اطلاع حضرت محبوب العالمؒ تک مخدوم منڈو پہنچائی۔ اس پر انہوں نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا۔

”خود وہاں جلتے بغیر سید زادہ کا رہا ہونا دشوار ہے۔“

حضرت سلطان العارفينؒ جو نہی حضرت سید میر میرکؒ کے کمرے کے دروازے پر پہنچے تو اندر آئے بغیر ہی انہوں نے دروازہ کے باہر سے کمرے کے اندر کی طرف دیکھنا شروع کیا اور حضرت سید میر میرکؒ بھی اُن کے یوں دیکھنے میں دل چسپی لینے لگے۔ کچھ وقفہ کے بعد حضرت سلطان العارفينؒ بالارادہ قدرے تامل کر کے جو نہی اندر آئے تو حضرت سید میر میرکؒ کا چہرہ مبارک (حضرت سلطانؒ) کے اس طرح کے انداز اپنانے پر مسکرائے نتیجتاً ناراضگی اور غضب کی جگہ خوشی اور مسکراہٹ آتے ہی سید احمد قاسمؒ رہا ہو گئے اور کمرے سے باہر چلے گئے اور کئی دن تک واپس گھر نہیں لوٹے حضرت سید میر میرکؒ نے بھی اس کی عدم موجودگی پر کوئی توجہ نہ فرمائی اور نہ ہی اُن کی (بیٹے کی) تلاش کی گئی۔

باہر کئی ایام بود و باش کرنے کے دوران ایک دن سید احمد قاسمؒ نے وہ شاہی پوشاک باہر نکال کر ایک غریب سائل کو بخش دی کہ بہ نظر مصفاً مشاہدہ فرما کر حضرت سید میر میرکؒ ملا رٹے سے نکل کر اپنے بیٹے سید احمد قاسمؒ کی شفقت میں روانہ ہو گئے اور چلتے چلتے ”جو براری“ متصل اونٹنی پورہ پہنچے۔ انہیں بعرفانِ الہی معلوم ہی تھا کہ لختِ جگر سید احمد قاسمؒ کہاں ہیں تو انہوں نے دریا کے کنارے روبرو مغرب تمام علاقہ زیرِ آب سیلاب پایا۔ دور نظر آتے ہوئے ٹیلے کا اشارہ کر کے مانجی سے کہا کہ مجھے اس ٹیلے تک لے جاؤ۔ مانجی نے



اجرت کا مطالبہ کیا مگر حضرت سید میر میرک نے عدم استطاعت ظاہر کر کے فرمایا کہ یقین کرو اس کا اجر تم کو اللہ سے ملے گا۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اس پر نادان ہانچی نے جواب دیا۔ ”پھر تو خدا ہی سے تار بھی مانگو۔“

دریا کے کنارے ایک کشادہ پتھر تھا۔ حضرت سید میر میرک اندرابی نے اس پر نماز پڑھنے کی نیت سے تکبیر تحریمہ ادا کیا اور محو حضورِ حق ہوئے۔ جب انہوں نے التحیات پڑھ کر سلام پھیرا تو حضرت سید میر میرک نے خود کو پتھر سمیت اُسی ٹیلے پر پایا جس کے لئے ہانچی نے عدم استطاعتِ اجرت لانے سے انکار کیا تھا۔ **ذَاكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔**

یہاں ایک غیر مسلم گھرانہ تھا، جہاں اس وقت صرف ایک لڑکی موجود تھی۔ آپ نے اس سے مالِ باپ کے بارے میں پوچھا اور برائے امرِ ضرورت باپ کو بلانے کے لئے کہا۔ لڑکی اندھی تھی۔ عدم بینائی کی وجہ سے معذرت چاہی، حضرت سید میر میرک صاحب نے لڑکی سے پوچھا۔ ”کیا تو بینا ہے۔ ذرا میری طرف دیکھ۔ اس کا دیکھنا ہی تھا کہ بینا ہو گئی اور دوڑتی ہوئی چلی گئی اور مالِ باپ کو فوراً ساتھ لائی۔ دونوں اُن کی ذاتِ گرامی سے متاثر ہوئے اور اسی آنِ مشرفِ باسلام ہوئے۔ پھر حضرت سید میر میرک صاحب اپنے فرزندِ ارجمند سے ملنے کیلئے ان نو مسلم گھرانوں کو لیکر دوسرے ٹیلے تک گئے جہاں سید احمد قاسم صاحب قرار پذیر تھے اور وہ لباسِ فقر میں طلبِ درسِ دین میں مصروف تھے آپ قریب ہی ایک میدان میں ٹھہرے اور اپنے قریب قبلہ سمت درست کرنے کی خاطر تین مختلف قلم ناما شاخوں کے ٹکڑے زمین میں گاڑ دئے۔ ایک شاخ برہن تھا، ایک شاخ توت اور تیسرا شاخ بید کا تھا۔ یہ موسمِ خزاں کا تھا کوئل اور



پتے لگنے کا نہیں

ادھر سے نابینا لڑکی کا بیٹا بن جانا اور اس کنبے کا مشرف باسلام ہونے کا شہرہ ہو گیا اور ان کا گرو ایک نزدیکی بستی دوڑا دوڑا کر اس جگہ پہنچا اور حضرت سید میر میرک اندرابیؒ کیساتھ بحث و گفتگو کرنے لگا۔ اُس کے استفسار پر کہ کیا تو نے ہی اسے (اندھی لڑکی کو) بینائی دی۔ حضرت سید میر میرکؒ اندرابی نے فرمایا۔ ”نہیں، بلکہ اسے میرے اللہ نے بینائی دی۔“ گرو نے طنزاً کہا۔ (بید کے قلم کی طرف اشارہ کر کے) ذرا اس سے کہو کہ اس میں بھی کوئی نکیل لکالے حالانکہ خزاں میں یہ اصولاً ناممکن تھا۔

حضرت سید میر میرک صاحبؒ نے مراقبہ فرمایا تو شاخِ بید سے کوئیل نکل آئی۔ گرو نے ان کے مراقبے میں رہنے کے وقت یہ کاٹ ڈالا۔ دوسری بار بھی ایسا ہی ہوا۔ مگر تیسری بار حضرت سید میر میرکؒ صاحب نے ارادی طور تک میں رہ کر شاخِ بید کو اس طرح نیچے جھکا دیا کہ گرو کو نکیل کاٹ نہ سکا۔ اس طرح حضرت سید میر میرک صاحبؒ کے سامنے بے بس ہوا اور اسلام قبول کیا اور یہ جھکی ہوئی شاخِ بید بیج و پرتب سے آج تک زاید از چار سو سال سے اُسی ٹیڑھی سمت میں برابر سرسبز و شاداب ہے۔ یہ پیچھے بوسیدہ ہو کر زمین بوس ہوتی ہے اور آگے آگے نئے نئے شاخ نکال کر بڑھتی چلی آئی ہے۔ آج یہ اپنی ابتدائی نصب شدہ جگہ سے ایک سو پچیس فٹ آگے پہنچ کر موجود ہے۔ درختِ ثوت بھی موجود ہے۔ اس پر مرحلہ وار طریقہ پر سال بھر ثوت لگے رہتے ہیں اور درختِ برہن بھی اپنی جگہ پر موجود ہے۔ جن لوگوں کو اپنے آباء و اجداد سے تو اترے اس پتھر اور ان تینوں درختوں کے سیاق و سباق سے واقفیت حاصل ہے ان کے خلاف برابر انہیں آثارِ متبرکہ کی



حیثیت میں عزت و احترام سے دیکھتے ہیں اور محبوبانِ رب العلمین کے تئیں والہانہ عقیدت مندوں میں سعادتمند گنے جاتے ہیں۔ یہ سارا واقعہ بہت سارے واقعات کے علاوہ حضرت سید میر میرک اندرابی صاحب کی وسیع و عریض پُر معرفت روحانی جمال و جلال کی ایک روشن کرامت ہے۔

محبوبانِ حق اور ان کے آثار کو بقائے دوام حاصل ہوتا ہے۔ گئے چھپنے کئی گزشتہ برسوں ہی کی بات ہے کہ ان کے مقبرہ شریف کا پتھر جنوب کی طرف زمین میں چھس گیا تھا۔ صرف اس کا شمالی نصف حصہ ہی اوپر سے دکھائی دیتا تھا۔ ایک مقامی شیرگو جبری نے اس لوحِ تربت کو اوپر اٹھانا اور ہموار بنا کر رکھنا چاہا مگر حملہ والوں نے بحسنِ احترام اپنی عدم شمولیت کا اظہار کیا۔ ادھر فردِ واحد کا اس پتھر کو اٹھانا سیدھا کرنا بھی دشوار کام تھا۔ لیکن شیرگو جبری نے طہارت ظاہری و باطنی بہ صد احترام نیت باندھ کر بہت سارے حاضرین کی حاضری میں یہ کام بہت آسانی اور ہلکے پھلکے انداز میں تنہا سرانجام دیا۔ جبکہ اس کے لئے متعدد افراد کی قوتِ درکار تھی اور یہ بھی ان کی ایک روشن کرامت شمار کی جاتی ہے۔

تغویز القلوب سحرة السادات اندرابیہ میں ان حضراتِ عالی درجات کا ایک مفصل ذکر موجود ہے۔ جو اس موضوع کی تشریحات اور ترجیحات کے ناطے کافی مستند اور مستحکم ہے۔ جس سے اس پُر عظمت اور با جاہ و حشمت ہستی کا تعارف والہانہ عقیدت میں مرجع الخدایق کے مثبت پہلوؤں پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔

حضرت سید محمد میر میرک اندرابی کے حسنِ عقیدت میں سے

سیدِ عالی گہر براوجِ عزتِ ماہتاب  
مُرشد صاحبِ ولایت رہبرِ ہر شیخ و شاب



میر میرک شیخ و سید ز آل ختم المرسلین  
 گشته از لمعات نور او بسا کس کامیاب  
 در گلستان نبی گلبن شهید کربلا  
 از همان گلبن شگفته میر میرک چوں گلاب  
 نامور در شرع و درع است آن در درج شرف  
 هست اندر کمالان وقت خود عزت مآب  
 زیر ظل ذیل او بودن نجات از گمراهی ست  
 ای دل من تا توانی از در او سرمتاب  
 با نبی پیوست آنکو دست زد در دامنش  
 از برای اوست اندر هر دو عالم فتح یاب  
 شکر حق خوش گشت بر ترتیب این شجره بمن  
 چوں مرادادی خود آور به پیش او بنواب  
 آدم بر در گهش از بهر خود بخشش طلب  
 خود کنم اظهار حال زار خود گشتم خراب  
 میر من بر من نگر از چشم لطف و رحمت  
 در غلامی با امیدے را شمار اندر حساب  
 تشنه را شربتے از بحر فیض خویش بخشش  
 سبزه خوشبیده ام راده نمی مثل سحاب  
 آدم غلگین به امید قوی بر در گهت  
 تا بفضل حق مرا راهست ازین عالی جناب

## حواشی

۱۔ حضرت سید محمد میرک اندرابیؒ نسباً نجیب الطرفین تھے۔ والد ماجد کی طرف سے سلسلہ نسب:

سید محمد میرک ابن سید شمس الدین ابن سید بدر الدین ابراہیم ابن سید محمد اعز الدین ابن سید احمد (خواہزادہ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ) ابن سید شمس الدین ابوالقاسم ابن سید شرف الدین محمود ابن سید جلال الدین ثانی ابن سید عبدالمطلب ابن سید جلال الدین ابراہیم ابن سید ابوالحارث ابن سید ابوالقاسم ابن سید حسن ابن سید مسلم اندرابی ابن سید ابوالعلیٰ ابن سید محمد ابن سید اکبر ابن سید عبداللہ ابن سید علی اکبر ابن سید عبداللہ ثانی ابن سید ابوالحسن علی ابن سید عبداللہ ثالث ابن سید حسین الاصغر ابن سیدنا امام موسیٰ کاظم ابن سیدنا امام جعفر صادق ابن سیدنا امام محمد باقر ابن سیدنا امام زین العابدین ابن سیدنا امام حسین شہید کربلاؑ ابن سیدنا علی المرتضیٰؑ و سیدۃ النساءؑ فاطمۃ الزہراؑ بنت سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ بتانا ضروری ہے کہ چودھویں پشت میں حضرت سید مسلم ہجرت کر کے اندراب میں تشریف فرما ہو کر آباد ہوئے۔ اندراب افغانستان میں کوہ ہندوکش کے قریب واقع ایک سرسبز و شاداب علاقہ ہے جس کی آب و ہوا نہایت ہی خوشگوار ہے اور لوگ بھی نہایت شریف ہیں۔ یہاں اُس زمانے میں



مساجد کے ساتھ ساتھ جا بجا علمی مراکز بھی موجود تھے۔ سید مسلم کی اولاد نوپشت تک اندراب میں رہی۔ دسویں پشت میں سید احمد اندرابی اپنے ماموں جان حضرت میر سید علی ہمدانی کے ساتھ کشمیر تشریف لائے اور یہاں آباد ہو کر بھی وہ اُن کی اولاد اندرابی ہی کہلائے۔

بہر حال والدہ ماجدہ کی طرف سے سلسلہ نسب ایک نظر میں سید محمد میر میرک ابن سیدہ میرہ بی بی بنت سید فضل اللہ منطقی (برادر حقیقی حضرت سید محمد امین اولیسی منطقی) ابن سید حسن منطقی ابن سید نور الدین ابن سید تاج الدین ابن سید احمد ابن سید علی ابن سید احمد کبیر ابن سید جلال الدین بخاری ابن سید جعفر ثانی ابن سید محمد ابن سید محمود ابن سید احمد ابن سید عبد اللہ ابن سید علی الاصغر ابن سید جعفر ابن امام علی تقی ابن امام محمد تقی ابن امام علی رضا ابن امام موسیٰ کاظم ابن امام جعفر صادق ابن سیدنا امام محمد باقر ابن سیدنا امام زین العابدین ابن سید الشہداء سیدنا امام حسین ابن سیدنا علی المرتضیٰ۔

۱۷ ملا رٹہ بھوری کدل اور پانڈان (نوپٹہ) کے بیچ میں واقع ہے۔ ملا رٹہ ایک زمانے میں ”ملا عراقی ہٹہ“ کے نام سے مشہور تھا کیونکہ یہاں ملا محمد عراقی کے دو کانات تعمیرات کے بڑے احاطے میں موجود تھے۔ ملا محمد عراقی اس زمانے میں جبکہ سلطان سکندر کی اعتدال پسندی کا طوطی بول رہا تھا، یہاں رہتا تھا۔

محلہ ملا رٹہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہ حضرت میر سید شمس الدین اندرابیؒ کا مسکن رہا اور ۹۲۱ھ میں حضرت سید محمد میرک اندرابیؒ یہیں تولد ہوئے۔ عہدِ بڈشاہی (۱۷۶۰ - ۱۸۲۰ء) میں حضرت میر میرکؒ کے والد ماجد سید

شمس الدینؒ کا قیام خالقہ اندرابیہ ملاڑ میں علم و عرفان کی بے حد رونق کا باعث بنا رہا۔ سلطان قطب الدین سکندر کی بنا کردہ اس خالقہ کے ساتھ ہی سلطان زین العابدینؒ بڈشاہ نے حسن عقیدت کی بنا پر ایک شاندار مسجد بنوائی۔ اس کے ساتھ ایک حمام بھی ہے۔ بڈشاہ کو حضرت سید شمس الدینؒ کا بے حد احترام تھا کیونکہ بڈشاہ کے متنبیٰ فرزند (لے پالک) حضرت سید محمد امین اویسی منطقی کے برادر حقیقی حضرت فضل اللہ منطقی (ابن سید حسن منطقی) کی صاحبزادی سیدہ میرہ بی بی سید شمس الدین کے عقد نکاح میں تھی۔

یہ بتانا بے جا نہ ہو گا کہ برکات خان صوبیدار کشمیر کے عہد میں خالقہ اندرابیہ آگ کی ایک واردات میں شہید ہو گئی لیکن بڈشاہ کی تعمیر کردہ مسجد کو کوئی گزند نہیں پہنچی۔ خالقہ کو شیخ غلام محی الدین صوبیدار کشمیر نے دوبارہ تعمیر کروایا لیکن اب کے اس میں خلوت نشینی کے لئے کوئی کھڑیاں (حجرے) وغیرہ نہیں بنائے گئے، اس طرح سے موجودہ خالقہ پرانی خالقہ سے قدے چھوٹی اور تعمیر کے لحاظ سے کم تر ہے۔ بہر حال یہ دونوں ہی عبادت گاہیں آج بھی اہل اسلام کے لئے باعث فیض و برکت ہیں۔

ملاڑ میں ایک زمانے میں اندرابی سادات ابھی خاصی تعداد میں رہتے تھے اور ان کا کافی اثر و رسوخ بھی تھا اس لئے اس علاقے کو "میرہ محلہ" کہا جانے لگا۔ آج بھی اس علاقے کو جہاں خالقہ اور مسجد واقع ہے میرہ محلہ (ملاڑ) ہی کہا جاتا ہے۔

ۛ حضرت سید میرکؒ چالیس سال کی عمر تک مجرّد رہے۔ ایک دن



حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاں جہاں آئے وہاں سے خواب میں مشرف ہوئے۔ اس مرتبہ کمال شفقت سے نکاح کی ہدایت، ارتقاءِ ذریت کی ترغیب اور سنت نکاح پر عمل پیرا ہونے کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ آپ کا نکاح سید عبداللہ قمی ابن سید حسین قمی کی صاحبزادی سے کیا گیا۔ بقول مفتی محمد سعادت، مورخ اُن کے چھ صاحبزادیاں اور تین فرزند سید محمد سید محمد یوسف اور سید احمد قاسم پیدا ہوئے۔

حضرت سید محمد میر میرک اندرابیؒ کے بڑے فرزند حضرت سید محمد میرہ محلہ لارٹہ میں ہی سکونت پذیر رہے۔ اُن کا سال ولادت ۹۶۳ھ جبکہ سال وصال ۱۰۲۲ھ ہے۔ اپنے والد ماجد سے تربیت پائی۔ علوم دین میں کمال حاصل کر کے عبادت و ریاضت میں محو رہے۔ والد بزرگوار کی ہدایت پر حضرت سلطان العارفین شیخ حمزہؒ کی صحبت میں بھی رہے اور فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔ والد صاحب سے سلسلہ قادریہ کی بیعت حاصل کر کے مسند خلافت پر متمکن رہے۔ اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں آستانہ عالیہ میں آسودہ ہیں۔ لارٹہ کے علاوہ آپ کے اولاد و احفاد رتنی پورہ، لولہ، پڑھل، کانٹھ پورہ، تکیہ بہرام شاہ، آری گام ناراندز، سیل، سید پورہ، ہجی، کمز ویرہ، گلاب باغ، بارہمولہ، پونچھ، دھونگلی، وزیر آباد، امرتسر، لاہور، سیالکوٹ، پٹھانکوٹ، موضع منہ مانگی متصل ایسن آباد، بہار، کلکتہ (بنگلہ)، پٹنہ، مارکنڈینیپال اور دیگر جگہوں پر آباد ہیں۔

سید محمد قاسم نے علمائے وقت سے علوم دینیہ حاصل کئے۔ آپ شجاعت، جرات اور سخاوت میں بے مثل و بے نظیر تھے۔ سلسلہ قادریہ کی بیعت اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور بعد ازاں انہی کے ارشاد سے موضع پڑھل (پڑنہ چھڑا)

کے نو مسلمانوں کی مزید تربیت اور تبلیغ دین کے لئے وہیں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ کی زریت پترہصل کے علاوہ کمزور، دندلمہ اور لاہور میں ہیں۔ آپ کا مزار مبارک بھی پترہصل میں ہی ہے۔

سید محمد یوسف بچپن سے ہی اوراد و اذکار میں محو و مشغول رہتے تھے۔ گوش نشین اور صاحب ورع و تقویٰ بزرگ تھے۔ کئی اولیائے کرام کے فیض صحبت سے بہرہ ور ہو کر بزرگان دین کی مزید صحبت و ملاقات کیلئے سفر بھی کیا۔ ایک خاص مدت تک موضع گیر و ترال میں رہائش اختیار کی لیکن بالآخر سینگد واپس آ کر خانقاہ درگجن کے قریب قرا پر پذیر ہوئے وہیں انتقال کیا اور کوہ سلیمان کے دامن میں سپرد خاک کئے گئے۔ موضع گیر، سیل، زڈورہ کے سادات سید یوسفؒ کی اولاد سے ہیں۔

سکھ آنجنابؒ فرماتے ہیں کہ والدین محرمین کی رحلت کے وقت چھوٹی عمر کا تھا۔ اقرباً میری بے سامانی سے حیران تھے میں نے کئی بار حضرت خواجہ خضرؒ کو خواب میں دیکھا۔ آپؒ نے علم دین حاصل کرنے اور اطاعت و تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت فرمائی۔ باری تعالیٰ کے فضل و کرم سے تحصیل علم دین، تلاوت قرآن مجید اور آدائے نوافل کثیرہ میں سکون و قرار ملا۔ میرے کچھ رشتہ دار سلاطین کشمیر کی ملازمت کی طرف بلاتے رہے، لیکن میں اس سے بالکل متاثر نہ ہوا، کوئی عہدہ قبول نہ کیا اور کہا کہ

سر ارا دت باد آستان حضرت دوست

کہ ہر چہ بر سر مامی رود عنایت دوست

میں نے فقر و فاقہ اور ترک اشتغال دنیوی کو اختیار کیا اور اپنے آب کرام



کی خانقاہ (خانقاہ اندرابیہ) میں گوشہ نشین ہو گیا۔

آپ خانقاہ میں صائم اور عبادت گزار رہتے تھے۔ تلاوت کلام اللہ کثرت نوافل امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں اپنا وقت گزارتے۔ باطنی توجہات نے حالات کو ایسا رخ دیا کہ آپ کی ذاتی خواہش کی تکمیل میں بڑی مدد ملی حضرت سید میر میرک پرنیایات الہی کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ کو اکثر ہادی اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال نازنین کی زیارت رویائے صالحہ میں نصیب ہوتی تھی۔ واقعات میں بھی زیارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوتے تھے اور زبانِ قدشنان سے ارشادات و بشارات سنتے تھے۔ بعض صحابہ کرام، خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو بھی باری باری دیکھا اور حضرت حمید کرام الحرم اللہ وجہ کی زیارت سے تنکرا شرف یاب ہو کر مستفیض ہوئے۔ بعض اولیائے کرام کی ارواح طیبہ سے بھی اسی طرح کسب فیوض فرمایا۔ مولانا سید احمد سعید اندرابی اُن کی مدح میں کہتے ہیں :-

بدلیساں چو از جد و جہدے نمود	خدا باب قربت بردش کشود
چو تقویٰ رساندہ بحمد کمال	بکمالے دگر یافت از ذوالجلال
شدی جلوہ گر ہر شب جمہ اش	شہ انبیا او ہمہ بدیش
دعایش بدر گاہ حق مستجاب	شدہ از دعایش بسی فتیاب
شدی خرق عادات از وی پدید	چو او عارفی در جہاں کس نہ دید
امیراں شدندش اسیر و غلام	شدہ در گہش مرجع خاص و عام
بعہدہ خود آں سید خوش خصال	بدہ مفخر جملہ سادات و آل



دارت مصطفیٰ است سیدما      نائب مرتضیٰ است سیدما

اختر برج احمد مختار      گوہر محبتی است سیدما  
 نوگل بوستان اہل البیت      ظل غوث الوریٰ است سیدما  
 سید و شیخ اہل عرفان را      زیدہ اولیا است سیدما  
 واقف ساز ہائے پنهانی      کاشف کرب ہا است سیدما  
 آنکہ در وقت خود بجود و کرم      شاہ جود و سخا است سیدما  
 ذات پاکش کہ عین عرفان است      بلکہ نور ہدیٰ است سیدما  
 قرۃ العین سید الشہدا است      پیر اہل صفا است سیدما  
 غم مخور اے سعید در دارین  
 دستگیر شمار است سیدما

۵۰ آپؑ کی تاریخ ولادت (۹۲۱ھ) ”ذاکر“ اور ”عارفِ شرع“ سے  
 نکلتی ہے۔

۵۱ آپؑ کا زمانہ مشکبار خانقاہ اندرابیہ، میرہ محلہ (ملارٹ) کے جنوب  
 میں واقع ہے۔ آپؑ کے پہلو میں کچھ اور قبروں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے جو آپؑ  
 کے اہل بیت کی ہیں۔ آپؑ کے تربت شریف پر تاریخ وصال کندہ ہے ۷۰  
 چو میرک میر سید مرشد وقت      توجہ جانب فردوس فرمود  
 پئے تاریخ وصلش شاہد عقل      بگفتار ”پنجم از شہر صفربود“

۹۹ھ

چو سید زدنیا ئے دوں نقل کرد      نابال داوتا دلبودا است فرد  
 پئے سال تاریخ میر نکو      بگفتار خرد شیخ وسید بگو  
 ایضاً



چون نودنہ صد گزشت از ہجرت خیرالانام

سید از دنیا ئے دون رفتہ بوئے دارالسلام

کہ حضرت سیدؑ کے وجود مبارک میں تجلیات الہی کے طفیل کافی گرمی پیدا ہوتی۔ ایک دن کچھ زیادہ ہی جلن اور سوزش کی بنا پر آپؑ بار بار خانقاہ کے حجرے سے باہر نکل آتے رہے۔ رات کے وقت سینہ مبارک میں شوق کی آگ بہت زیادہ بھڑک اٹھتی۔ عنایت کی حالت میں اگر آپؑ کسی غافل کی طرف لطف کی نگاہ سے دیکھتے تو اسکی ناگفتہ بہ حالت نہایت ہی پاکیزہ خیالات سے تبدیل ہو جاتے۔

ایک بار ایک خوش آواز فاحش و بدکار نوجوان پورے ساز و سامان کے ساتھ حضرت سیدؑ کے حضور میں آکر زمرہ آرائی کرنے لگا۔ حضرت سیدؑ نے اس نوجوان پر عنایت کی نظر ڈالی۔ اسکی منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ گئی اور اخلاقِ بد سے پاک و صاف اور اوصاف حمیدہ سے مزین ہو کر دوستانہ خلد کے زمرہ میں شامل ہو گیا۔

تواریخ میں آیا ہے کہ حضرت شاہ ہمدانؒ نے سلطان قطب الدین کو تبرکاً اپنا کلاہ مبارک دیا جسے وہ تاج میں پہنے رہتا۔ اسکی اولاد کا بھی یہی معمول رہا۔ یہاں تک کہ تقریباً ۲۰۰ سال کی مدت گزرنے پر سلطان فتح شاہؒ نے، جس کا انتقال ۹۲۴ھ میں ہوا، کلاہ مبارک اپنی نعش کے ساتھ دفن کروانے کی وصیت کی۔ بعد ازاں اسکے بیٹے نے قبر کھدوا کر کلاہ مبارک وہاں سے نکال لینے کی خواہش ظاہر کی۔ غازی خان مدار المہام کو جب یہ اطلاع ملی، وہ حضرت سید میر میرک اندرابی کے دربار میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت سیدؑ نے ایسی حرکت کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ

”تاج شاہی از دست شاہان کشمیر رفت، در قبضہ چکان درآمد!“  
 کچھ عرصہ بعد ایسا ہی ہوا۔ اقتدار سلاطین کے ہاتھ سے نکل کر  
 چک خاندان کے ہاتھوں میں آ گیا۔

سلاطین کشمیر میں سے ایک بادشاہ حضرت سید کی خدمت میں حاضر ہوا۔  
 جب وہ رخصت ہوا تو آپ نے اس چٹائی کو دریا میں دھلوا یا۔ بادشاہ نے  
 یہ واقعہ سنا تو کہا: ”واقعی دنیا مردار است و طالب دنیا ہم چوکلا اند حقیقت الامر  
 آنکہ نشد نگاہ اولیاء اللہ بہ نشستن کلاب ناپاک میگردد۔“

حضرت میر میرک اندرابی کی مفصل سوانح حیات آپ کے ایک مخلص مرید و  
 طالب خواجہ محمد امین کول نے ”احوال المرشد“ کے نام سے لکھی تھی جو نایاب  
 ہے۔ اس بارے میں مشہور ہے کہ افراسیاب بیگ خان ناظم کشمیر کے عہد حکومت  
 ۱۱۵۹ میں جبکہ انتظامی حالات میں ہل چل مچی ہوئی تھی اور غلات کی نایابی کے  
 تباہ کن صدمات رونما ہوئے۔ عوام و خواص شور و غوغا اور تحریری و تقریری  
 صورت میں مظاہرے کرتے رہتے۔ خاندان اندرابیہ کے چشم و چراغ حاجی  
 سید عتیق اللہ اندرابی اس میں پیش پیش تھے۔ آخر اسی دار و گریں انہیں  
 شہید کر دیا گیا اور سید منصور صاحب کی زیارت گاہ کے آس پاس ہی  
 دفن کیا گیا۔ حکومت وقت نے ظالمانہ کاروائی کر کے ان کے املاک تلف  
 کیں، لوٹ مار کا بازار گرم کیا..... ان کے کتب خانہ بھی تباہ کر دیا گیا،  
 جس میں نادر و نایاب کتابیں محفوظ تھیں۔ ”احوال المرشد“ بھی اسی سانچے  
 میں تلف ہو گئی۔ (واللہ اعلم)

❦

کتابیات :-

(۱) تحائف الابرار



- (۲) تحفة الفقراء  
 (۳) تاریخِ حسن  
 (۴) تاریخِ باغِ سلیمان — از میر سعد اللہ شاہ آبادی  
 (۵) سید میر میرک اندرابی — از مفتی محمد سعادت  
 (۶) ذکریاتِ اندرابیہ، از مولانا سید نبیہا احمد اندرابی "شہید"



## بی بی تاج خاتونؒ

محترمہ بی بی تاج خاتونؒ کے متعلق تواریخ کشمیر میں متضاد باتیں درج ہیں ایسا شاید اس لئے ہے کہ تواریخ کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اُس وقت کے کسی فارسی مؤرخ کی تالیف شدہ تاریخ کشمیر میں دستیاب نہیں۔ اسی لئے ہمیں محترمہ بی بی تاج خاتونؒ کے صحیح حالات معلوم نہیں — کسی مثبت نتیجے پر پہنچنے کے لئے ہمیں سبھی تاریخی حقائق کو زیرِ نظر رکھنا ہو گا۔ ایک طرح سے تاریخی شواہد کو کھنگالنا ہو گا۔

اس زاہدہ و عابدہ کے زمانے کے نزدیک سلطان زین العابدین کا سنسکرت مؤرخ پنڈت جونراج گزرا ہے۔ اُس نے اپنی تاریخ میں سلطان شہاب الدین بادشاہ کشمیر کی تاریخ تحت نشینی لوگ سال ۴۴۳ء مطابق ۱۳۵۴ء مطابق ۴۵۴ھ اور موصوف کی تاریخ وفات لوگ سال ۴۴۹ء مطابق ۱۳۷۳ء مطابق ۴۷۴ھ لکھی ہے۔ اس سلسلے میں مؤرخ جونراج

✽ سولہ بالا - سرینگر



کی تاریخ ”زینہ ترنگنی“ کی ترجمہ شدہ انگریزی عبارت ملاحظہ ہو۔ یاد رہے کہ اس کی سنسکرت زبان میں لکھی گئی تاریخ کا ترجمہ جے۔ سی۔ دتہ نے انگریزی زبان میں اس طرح کیا ہے :

“Having ruled the kingdom(Sultan Alavadin) for twelve years, eight months and thirteen days, the king (Sultan Alavadin)died in the month of Chaitra in the (Lokek)year 30 (4430 Lokek year).”  
(Kings of Kashmir by J.C.Dutta page No:37)

یعنی سلطان علاء الدین کے بعد اس کا لڑکا سلطان شہاب الدین ۳۰ لوک سال مطابق ۱۳۵۷ء مطابق ۱۷۷۷ء میں تخت نشین ہوا۔ سلطان شہاب الدین کی وفات کے بارے میں سنسکرت مؤرخ جو نراج اس طرح رقم طراز ہے :

“(Sultan Shabdin)died on the fourteenth lunar day of the bright moon of the month of Jaishtha in the year 49(4449 Lokek year)”

سلطان شہاب الدین نے ۱۷ جیٹھ ۳۹ لوک سال مطابق ۲۷ مئی ۱۳۷۷ء بروز جمعہ مطابق ۴ ذی الحجہ ۷۷۷ء وفات پائی (یعنی سلطان شہاب الدین اپنے باپ کے بعد ۷۷۷ء میں تخت نشین ہوا اور ۲۷ مئی ۱۳۷۷ء مطابق ۷۷۷ء بروز جمعہ اس کی وفات ہوئی ہے) اس طرح اُس نے قریباً ۱۹ سال دو ماہ تک حکومت کی ہے۔ اُس کی وفات ۲۷ مئی ۱۳۷۷ء کے اوائل موسم بہار میں ہوئی ہے۔ یہاں پر ایک اور بات قارئین اور اسکالروں کے لئے قابل غور ہے کہ جب سلطان

شہاب الدین کی وفات بقول جون راج ۲۷ مئی ۱۳۷۷ء مطابق ۱۷ مئی کے ابتدائی موسم بہار میں ہوتی ہے اور ادھر میر سید علی ہمدانی کے متعلق تواریخ میں لکھا گیا ہے کہ وہ پہلی بار ۱۷ مئی میں کشمیر تشریف لائے ہیں، تو اس بات کے پیش نظر کیا یہ ممکن تھا جبکہ ان دنوں کشمیر میں داخل ہونے کے راستے قریباً مسدود ہوتے ہیں، نتیجہ کے طور پر اس موسم میں جناب میر سید علی ہمدانی کا کشمیر میں وارد ہونا نامکن معلوم ہوتا ہے اور جبکہ ان ہی دنوں میں سلطان شہاب الدین کی وفات بھی ہوئی تھی۔

یہاں سلطان شہاب الدین بن علاء الدین کی تخت نشینی اور وفات کی تاریخیں اس لئے درج کی گئی ہیں تاکہ ہمیں اس بات کا پتہ چل سکے کہ بعد کی فارسی زبان میں لکھی گئی تواریخ میں درج ہے کہ سید حسن بہادر بن سید تاج الدین ہمدانی سلطان شہاب الدین کے عہد میں بعد کے فارسی مؤرخین کے قول کے مطابق بحکم امیر سید علی ہمدانی زہ کشمیر آئے ہیں۔

فارسی زبان میں تالیف شدہ کشمیر کی اولین دستیاب تاریخ سید علی کشمیری بن سید محمد کشمیری کہ ہے۔ سید علی کشمیری بن سید محمد کشمیری حضرت سید تاج الدین ہمدانی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا شجرہ نسب تواریخ سے اس طور ثابت ہوتا ہے :

مورخ سید علی بن سید محمد کشمیری بن سید علی بن سید شمس الدین

بن سید نعمت بن سید جمال بن حافظ سید کمال بن سید حسن بہادر

(سپر سالار سلطان شہاب الدین کشمیر) بن سید تاج الدین برادر زادہ

سید شہاب الدین ہمدانی والد میر سید علی ہمدانی جناب سید تاج الدین

ہمدانی کا مقبرہ شہام پور (شہاب الدین لوپہ) متصل لکھانہ نگر



موجود ہے ۔

مؤرخ سید علی کشمیری کے والد سید محمد کشمیری نے اپنی تالیف ”تحفۃ المجالس“ میں، جو انہوں نے سال ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۵ء میں مرزا حیدر دوغلت کے کشمیر پر قبضہ کرنے کے دو سال بعد لکھی ہے اور فقہ اسلامی پر ہے، فولیو نمبر ۱ الف پر انہوں نے خود بھی اپنا منظوم شجرۂ نسب فارسی زبان میں اس طرح لکھا ہے ۔

لطفِ جہاں کہ بودہ اندولی	شمس آفاق و خاص لم یزلی
در عبارت اگر چہ بایستن است	از مطالب و لیک بادرین است
بود حافظ کمال نام اورا	سید و سرا فرزند ہر دوسرا
پدرش بد حسن ہزیر زمان	سید و سرور و امیر جہان
ضرب تیغ او گرفت نصف جہان	کابل و غور ہم نعمان

اس عہد کے سلطان شہاب الدین کشمیر کے بارے میں اس طرح بیان کرتے ہیں ۔

بیم شاہ شہماں شہاب الدین	بود او شہریار روی زمین
بود سید حسن چورستم دہر	راند شمشیر نصف تابرو بحر
میر میران آں زمان بودہ	سرور سرور اں شان بودہ
بود داماد شاہ و نور و عین	جملہ لشکر یقین انو بودہ زین
پدر او بدست تاج الدین	ہادی اولیاء راہ یقین
سید و آل حیدری بودہ	سر بدر گاہ حق ہی سودہ

اپنے دوسرے جد یعنی والدہ صاحبہ کی طرف سے، کے بارے میں اس طور بیان کرتے ہیں ۔

دیگرم جدّ شیخ اسماعیل      خوانِ او بود ہموخوانِ خلیل

عالم و متقی و ہادی دین      قطب آفاق پیر و صدق لہیقین

شرع و اسلام از و نظای یافت      جملہ کائنات نامی یافت

ابن او ہست شیخ فتح اللہ      شمس ہر دو جہاں خاص آلہ

مؤلف سید محمد کشمیری اپنے متعلق اس کتاب میں اس طور بیان کرتے ہیں :-

وانکہ سید محمد ایں دنیا      خاص و عامت نکرده است وفا

بجز اخلاق رانہ بندی دل      تاکہ قامت از و بود حاصل

• ————— "تحفۃ المجالس" ایکسٹن نمبر ۲۱۳۶، ریسرچ مخطوطات لائبریری کشمیر یونیورسٹی

کشمیر کے اکثر فارسی مؤرخین نے لکھا ہے کہ سلطان شہاب الدین کے فوجی سپہ سالاروں میں سے سید تاج الدین ہمدانی کا فرزند رستم زمان سید حسن تھا۔ فارسی زبان میں لکھی گئی کشمیر کی قدیم دستیاب تاریخ، سید علی بن سید محمد کشمیری کی ہے جو انہوں نے یوسف شاہ چک کے بار اول کشمیر کا سلطان بننے پر ۸۶-۹۷ھ مطابق ۱۵۷۹-۱۵۸۰ء میں تالیف کی ہے۔ اس تاریخ سے قبل کشمیر کی تواریخ کی تالیف ہونے کا ذکر بعد کی فارسی تواریخ میں بعض مؤرخین نے تو کیا ہے مگر ان کا صرف نام ہی تواریخ میں باقی ہے۔ اگر یہ دستیاب ہوتیں تو اغلب تھا کہ ہمیں کشمیر میں اسلام پہنچنے کے حالات دستیاب ہونے کے ساتھ ساتھ سلاطین اور ان کے سپہ سالاروں، اُمراء و وزراء وغیرہ کے حالات سے بھی جانکاری ہو جاتی۔ کیونکہ سنسکرت مؤرخین جن کے تواریخ فی زمانہ دستیاب ہیں، نے سلاطین کے مسلمان اُمراء، وزراء اور سپہ سالاروں وغیرہ کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے۔

تاریخ حسن کے مؤلف پیر غلام حسن شاہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اُن کو ملا احمد کی تاریخ "وقائع کشمیر" حاصل تھی جس کی بدولت انہوں نے ہندو عہد کے



راجاؤں کے حالات صفحہ قرطاس پر لائے ہیں، جن کے حالات کلہن پنڈت نے عدم دستیابی کے باعث نہیں لکھے تھے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر پیر غلام حسن شاہ مؤرخ تاریخ حسن کو ملا احمد جو سلطان زین العابدین کے عہد کا شاعر اور مؤرخ تھا، کی تاریخ "وقائع کشمیر" دستیاب ہوئی تھی تو اُس نے اپنی تاریخ میں سلطان شہاب الدین کی تاریخ تخت نشینی اور تاریخ وفات کس طور لکھی ہیں۔ اس لئے ہمیں اس کی تاریخ سے سلطان شہاب الدین کی تاریخ تخت نشینی لکھنی پڑے گی۔ مؤرخ پیر غلام حسن شاہ نے سلطان شہاب الدین کی تاریخ تخت نشینی اس طرح لکھی ہے :

"سلطان شہاب الدین موسوم بہ شیر اشاک در ۷۱۱ھ مطابق ۱۳۱۶ء بکرمی بر مسند شاہی جلوس نمود۔"

• — (ملاحظہ ہو چھاپ شدہ تاریخ حسن "حصہ دوم ص ۱۷۱)

یعنی سلطان شہاب الدین جو شیر اشاک کے نام سے جانا جاتا ہے ۷۱۱ھ مطابق ۱۳۱۶ء بکرمی میں تخت نشین ہوا ہے۔

مؤرخ پیر غلام حسن شاہ مزید لکھتا ہے کہ سلطان شہاب الدین کا سپہ سالار جس نے بہت سے علاقے فتح کئے، سید حسن بہادر فرزند سید تاج الدین تھا جو حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کے بنی اعمام میں سے تھا۔ عبارت ملاحظہ ہو :

"سید حسن بہادر فرزند سید تاج الدین کہ از بنی اعمام حضرت امیر کبیرؒ بود، میر شکر ساخت۔ وی با جمعیت بیست ہزار سوار و یک لک پیادہ برسم منقلاتی پیش پیش میرفت کہ ہر جا کہ میر سید فتح میگرد، گویا مقابلہ فتوحات در دست او بود۔"

• — (تاریخ حسن "حصہ دوم ص ۱۷۲)

سلطان شہاب الدین کی وفات کے بارے میں مؤرخ حسن اس طرح لکھتا ہے :  
 "و بعد چند گاہ (سلطان شہاب الدین) بمرض شدید بر بستر افتاده  
 حسن خانرا از دہلی طلبا نید وی در جموں رسید لود کہ سلطان شہاب الدین  
 مختصر شد و برادر خود "ہندال" معروف بقطب الدین را جانشین کردہ  
 انتقال نمود۔ تاریخ ۵

شہاب و در قطب جانشین شد  
 ز در بار کشمیر چوں زخمت بست

$$۱۷۷۳ = ۸۱۰ + ۲۱۴ + ۱۱۱ + ۲۳۰ + ۳۰۸$$

نوزدہ سال و سہ ماہ بحکومت گذرانید و در محلہ بلد میر بر لب دریا  
 مقبرہ اوست۔"

مؤرخ پیر غلام حسن شاہ کی سلطان شہاب الدین کے حوالے سے مندرجہ بالا  
 لکھی ہوئی تاریخ وفات کے حروف کی تعداد بحساب ابجد ۱۷۷۳ بنتی ہے، جس سے  
 سلطان شہاب الدین کی تاریخ وفات درست نہیں معلوم ہوتی جبکہ مؤرخ حسن نے  
 اوپر لکھا ہے کہ سلطان شہاب الدین نے ۱۹ سال اور تین ماہ حکومت کی ہے۔ اب اگر  
 لفظ "کشمیر" کے حروف کی تعداد بحساب حمل ۳۷۰ مؤرخ حسن کی لکھی گئی منظوم تاریخ  
 وفات کے حروف کی مندرجہ بالا تعداد سے منفی کریں تو تاریخ وفات ۸۰۳ برآمد ہوتی  
 ہے اور جیسا کہ مؤرخ حسن نے لکھا ہے کہ سلطان شہاب الدین نے انیس سال تین ماہ حکومت  
 کی ہے۔ اس لئے مؤرخ حسن کی سلطان شہاب الدین کے سال تخت نشینی ۸۱۷ھ میں  
 ۱۹ سال جمع کرتے ہیں تو تاریخ وفات ۸۰۷ نکلتی ہے۔ یعنی سلطان شہاب الدین کی  
 وفات ۸۰۷ھ میں ہوئی ہے۔ مؤرخ غلام حسن شاہ نے سلطان قطب الدین کی تاریخ  
 تخت نشینی بھی ۸۰۷ھ مطابق ۱۴۳۵ بکرمی لکھی ہے۔ اس طرح مؤرخ حسن کی



سلطان شہاب الدین کی منظوم فارسی زبان میں لکھی گئی تاریخ وفات درست نہیں ہے۔  
 سلطان قطب الدین کے عہد کے نزدیک اور ہم عصر سنسکرت مؤرخ پنڈت  
 جون راج نے سلطان شہاب الدین کی وفات ۱۲۴۹ء لوک سال مطابق ۱۳۷۷ء  
 مطابق ۱۲۷۷ء بروز جمعہ لکھی ہے۔ سلطان شہاب الدین کی وفات کے بعد سلطان  
 قطب الدین ۱۲۷۷ء مطابق ۱۳۷۷ء میں تخت نشین ہوا اور اس کی وفات کی تاریخ  
 سنسکرت مؤرخ جون راج نے ۱۷ بہادر وں ۱۲۶۵ء لوک سال مطابق ۱۳۸۹ء مطابق  
 ۱۲۹۱ء لکھی ہے جبکہ مؤرخ حسن نے سلطان قطب الدین کی وفات ۱۲۷۷ء مطابق  
 ۱۳۹۹ء لکھی ہے۔ اس طرح مؤرخ حسن کی لکھی ہوئی تاریخ وفات سلطان قطب الدین  
 میں پانچ سال کا تفاوت ہے۔ ملاحظہ ہوں سنسکرت مؤرخ جو ان راج کی عبارت کا انگریزی ترجمہ:

On the second day of the dark moon in the month  
 of Bhadra in the year 65, king Kumbhadina the  
 chief among kings died."

(J.C.Dutta, page No:54)

مؤرخ پیر غلام حسن شاہ اور دیگر فارسی مؤرخین نے سلطان قطب الدین کے  
 عہد میں سید حسن بہادر کا ذکر نہیں کیا ہے جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سید  
 حسن بہادر سلطان شہاب الدین کے عہد ۷۳-۱۳۵۴ء میں ہی رحلت کر گیا ہے۔ اگر  
 وہ سلطان قطب الدین کے عہد میں زندہ ہوتا تو ممکن تھا کہ فارسی مؤرخین نے اس کی  
 مزید فتوحات کا ذکر کیا ہوتا۔ اس سلسلے میں مؤرخ حسن "تاریخ حسن" (اردو) جلد دوم  
 صفحہ نمبر ۸ پر سید حسن بہادر کے فرزند ارجمند حافظ سید کمال الدین کے بارے میں  
 اس طور رقم طراز ہے:

”سید کمال الدین حافظ سید حسن بہادر کے بیٹے فیروز شاہ کی بیٹی کے بطن سے تھے۔ بچپن ہی کے زمانے میں والدین کا سایہ سر سے اٹھا۔ سلطان قطب الدین نے ان کی پرورش کی۔“

مورخ پیر غلام حسن شاہ کے مندرجہ بالا بیان سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ سید حسن بہادر سلطان قطب الدین کے کشمیر کا بادشاہ بننے سے قبل ہی سلطان شہاب الدین کے عہد میں فوت ہو چکے تھے۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ سلطان شہاب کی تاریخ وفات ۷۷۴ھ سے لیکر سلطان سکندر کے عہد ۸۱۶-۷۹۱ھ مطابق ۱۴۱۳-۱۳۸۹ء تک قریباً تیس سال گزر جاتے ہیں۔ سلطان سکندر کے عہد ۷۹۶ھ میں حضرت میر سید علی ہمدانی کے فرزند ارجمند میر محمد ہمدانی کشمیر آتے ہیں۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ میر محمد ہمدانی نے کشمیر پہنچتے ہی شادی نہیں کی، بلکہ کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے شادی کی ہوگی۔ نتیجہ کے طور پر سلطان شہاب الدین کی وفات ۷۷۴ھ سے سلطان سکندر کے عہد ۸۱۶ھ تک کم و بیش پینتیس سال گزر جاتے ہیں۔ کیا پھر یہ ممکن ہو سکتا تھا کہ اس مدت تک سید حسن بہادر کی بیٹی محترمہ بی بی تاج خاتون شادی شدہ نہ ہوتی اور پھر اس کا عقد میر محمد ہمدانی سے ہوتا؟

محترمہ بی بی تاج خاتون کے بارے میں مورخ سید علی بن سید محمد کشمیری جو میر سید علی ہمدانی کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا، نے لکھا ہے کہ میر محمد ہمدانی کا عقد سید حسن بہادر کے فرزند ارجمند سید کمال الدین حافظ (جن کا مقبرہ شہام پورہ سرینگر میں متصل لکھنا کھانا موجود ہے) کی بیٹی سے ہوا ہے، جو اوپر بیان کئے گئے تحقیقی حالات سے صحیح ثابت معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں مورخ سید علی بن سید محمد کشمیری کی



تاریخ کی عبارت ملاحظہ ہو :

”تا مدت دوازدہ سال جناب سید محمد ہمدانیؒ درس دیا کرتے تھے  
ہر کاروباری کہ متعلقہ دینی بود بی اجازت ایشان (سلطان سکندر)  
نکرده۔ دختر پسر سید حسن بہادر عقد جناب ایشان کہ بی بی تاج خاتون  
نام داشتہ در آوردہ۔ بعد از پنج سال آں زائدہ و عابدہ انیس عالم  
رفتہ مقبرہ برای ایشان از پبل فتحکدل گذشتہ نزد گورستان  
ملک مسعود ٹھکر بناؤ کرد، آں عابدہ صالحہ دران زمین خوابیدہ۔“  
• (تاریخ سید علی بن سید محمد کشمیری، ایکسشن نمبر ۳۹، فولیو نمبر ۱۵۱)  
ریسرح مخطوطات لائبریری یونیورسٹی کشمیر

(جناب سید محمد ہمدانیؒ بارہ سال کی مدت تک اس ملک میں قیام کر کے  
تبلیغ دین کرتے رہے۔ ملک میں متعلقہ دینی کام ان کی اجازت  
کے بغیر عمل میں نہیں لایا جاتا تھا۔ سید حسن بہادر کے فرزند سید  
کمال الدین حافظؒ کی دختر نیک اختر محترمہ بی بی تاج خاتون کا نکاح  
جناب سیادت سید محمد ہمدانیؒ کے ساتھ پڑھا گیا۔ پانچ سال کے بعد  
یہ زائدہ عابدہ اس جہان فانی سے انتقال کر گئیں۔ ان کا مقبرہ  
فتح کدل کے پبل کے پار (دریائے جہلم کے بائیں کنارے پر)  
ملک مسعود ٹھکر کے قبرستان کے متصل ہے، جہاں یہ عابدہ  
صالحہ زیر زمین ابدی نیند سو رہی ہیں۔

بی بی تاج خاتون کی وفات کے بعد ملک سہہ بٹ جس کا نام  
مشرف باسلام مہونے کے بعد ملک سیف الدین رکھا گیا، کی دختر نیک اختر

(بارعہ بی بی) سے سلطان سکندر مذکورہ نے جناب سیادت (سید محمد ہمدانیؒ) کا نکاح پڑھوایا۔ ایک سال کے بعد وہ صالحہ، عابدہ اور زاہدہ بھی اس فانی دنیا سے انتقال کر گئی۔ موضع کوٹڑ (موجودہ کراہ پورہ، چاڈورہ جہاں جناب سیادت (سید محمد ہمدانیؒ) نے باغ تعمیر کرایا تھا اور جہاں پر آپ نے قریباً بارہ سال تک قیام کیا تھا (اسی باغ) میں ان بی بی کا مقبرہ تا حال موجود ہے اور اب یہ زاہدہ عابدہ ”دیدہ باج“ کے نام سے مشہور ہیں۔





## بابا رجب الدین رشتی

جنوبی کشمیر کے پرگنہ کوٹہار میں پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، اسی میں کوہِ ناگہ نارین ایک ایسا پہاڑ ہے جس پر دو دور دور تک درختوں کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ اس پہاڑ تک جانے کے تین راستے ہیں۔ ایک منحنی راستہ قریہ براہ اور دوسرا رینی پورہ سے جاتا ہے۔ رینی پورہ سے ہو کر رکھ براہ سے گذرنے والا یہ راستہ اگرچہ مسافت میں زیادہ ہے تاہم دشوار گزار نہیں۔ تیسرا راستہ سپر سہدان جو کہ وادی لدر کا ایک مشہور گاؤں ہے، سے شروع ہو کر دشوار گزار اور بلند پہاڑی چوٹیوں سے ہوتا ہوا کوہِ ناگہ نارین تک جاتا ہے۔ دشوار گزار ہونے کی وجہ سے یہ راستہ عام طور پر عبور و مرور کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ اسی کوہِ ناگہ نارین کے دامن میں قدرے بلندی پر، ایک نہایت خوبصورت، خاموش اور پرسکون جگہ پر لگ بھگ تیس گھرانے آباد ہیں۔ اس دور افتادہ اور سہماڑے چھوٹی سی بستی کا نام بھی ناگہ نارین ہے جبکہ یہاں دور دور تک پانی کا کوئی چشمہ لے ناگہ کشمیری میں چشمے کو کہتے ہیں۔

ہے نہ کوئی پہاڑی نالہ۔ یہاں پہنچ کر ”آنکھ سے اندھا نام نین سنگھ“ والی مثل  
 یاد آتی ہے۔ کیا پتہ اگلے زمانوں میں کبھی یہاں پر کوئی چشمہ رہا ہو۔ اسی گاؤں  
 میں حضرت بابا بام الدین ریشی کے خلیفہ خاص حضرت بابا رجب الدین ریشی  
 کی آخری آرام گاہ ہے۔ قدیم زمانے سے یہاں پانی کی نایابی کا مسئلہ چلا آیا ہے۔  
 زیارت گاہ کے عقب میں تقریباً دو کلو میٹر کی دوری پر ایک خشک اور ویران چشمہ  
 کے آثار موجود ہیں جس کو مقامی لوگ ”گو سائی ناکو“ یعنی ”گو سائیں کا چشمہ“ کہتے  
 کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ صدیوں پہلے ایک گو سائین نے اس جگہ پر اپنے استعمال  
 کے لئے تھوڑا سا پانی نکالا تھا جسے اس کا چمٹکار ہی سمجھا جاسکتا ہے کہ بعد میں  
 چشمہ خشک ہو گیا۔ بہر حال جب بابا رجب الدین اپنے خلفا کے ساتھ وہاں  
 وہاں گوشہ نشین ہوئے تو انہیں بھی پانی کی نایابی کا مسئلہ پیش آیا۔ حضرت بابا  
 رجب الدین نے زیارت گاہ سے کافی اوپر ایک بڑے پتھر کے نیچے سے بذریعہ کرامت  
 پانی نکالا۔ وقت گزرنے پر مٹی کی پائپوں کے ذریعے یہی پانی بستی تک پہنچایا  
 گیا۔ پھر لکڑی کے پائپ بنا کر پانی ان کے ذریعے گاؤں تک لایا جاتا تھا اور  
 آج کل ان کی جگہ جدید قسم کے پائپ لگائے گئے ہیں۔ کشمیری میں چشمہ ”نواگ“  
 اور پائپ کو ”نور“ کہا جاتا ہے۔ چونکہ بستی تک کئی پائپوں کے ذریعے چشمہ  
 کا پانی پہنچایا گیا۔ اسی لئے اس کا نام ”ناگہ نارین“ پڑ گیا۔ جب کبھی کشمیر میں  
 لہ کشمیری میں ”نور“ سے مراد ہے پائپ اور ناری یا نارین صیغہ جمع ہے  
 ”نور“ کا۔ اس طرح ناگہ نارین سے مراد وہ جگہ ہے جہاں چشمہ سے پانی دور  
 تک لے جانے کیلئے بہت سے ناری (پائپ) کام میں لائے گئے ہوں۔

لہ ناگہ نارین نام کا یہ چھوٹا سا گاؤں شاہان جغتایہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)



شدید خشک سالی ہوتی ہے تو اس گاؤں کو پانی کی شدید قلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ مقدس پہاڑی چشمنے سے بہت کم پانی نکلتا ہے جو کہ افسوسناک حد تک ناکافی ہوتا ہے۔

حضرت بابا رجب الدینؒ ریشی کے زاد و بوم، سن ولادت اور سن وصال کے بارے میں کئی اولیائے کرام کی طرح، ہمارے ریشی نامے، مذہبی، تاریخی اور نیم تاریخی تذکرے متضاد بیانات پیش کرتے ہیں۔ تاہم یہ امر مسلمہ ہے کہ آپ حضرت بابا بام الدینؒ (مدفن مجہ زوٹن) کے خلفاء میں سب سے بلند درجہ رکھتے تھے۔ مقامی روایت کے مطابق آپ ملتان سے آئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے ساتھ آپ کے دو برادر بابا شکور الدینؒ اور بابا فخر الدینؒ بھی تھے لیکن ریشی ناموں میں درج ہے کہ آپ ناگہ نارپن کے ہی رہنے والے تھے۔ صاحب ”واقعات کشمیر“ کے اس بیان کے مطابق کہ:

”بابا رجب الدین از خلفائے بابا بام الدین است“

باسہ برادر از ولایت آمدہ بودند۔“

مطلب یہ کہ بابا رجب الدینؒ خلفائے بابا بام الدینؒ میں سے تھا، تین بھائیوں

(پچھلے صفحہ سے بقیہ) کے دور میں پرگنہ مارتنڈ میں شامل تھا، اس پرگنہ میں شامل دیہات کی تعداد صرف گیارہ تھی (تاریخ حسن جلد نمبر ۱ صفحہ ۲۵۹)

۱۔ راقم الحروف نے یہ بیان غلام نبی بٹ اور عبدالرشید ریشی ساکنان ناگہ نارپن سے ۱۸ جولائی ۱۹۹۹ء کو زیارت گاہ بابا حضرت رجب الدینؒ کے غلام گردش میں بیٹھ کر سنا۔ بابا رجب الدینؒ کا سال ولادت و سن وفات معلوم نہیں ہو سکا۔

بابا بام الدینؒ کے ”مختصر“

کے ساتھ ولایت سے آتے تھے۔

ہمارا دھیان مقامی روایت کی طرف جاتا ہے، معلوم نہیں ولایت سے صاحبِ واقعات کشمیر کی مراد کون سی جگہ یا کون سا ملک ہے۔ تاہم صاحبِ تحائف الابرار نے لکھا ہے کہ بابا رجب الدین کا نام رجب میر، بابا فخر الدین کا فخر میر اور تشکور الدین کا تشکور میر (مؤرخ حسن شاہ کے مطابق شوگہ میر) تھا۔ اس طرح یہ بالکل مقامی نام لگتے ہیں۔

حضرت بابا رجب الدین کے ترک دنیا کر کے دائرہ ریشیت میں شامل ہونے سے متعلق خاصا طویل واقعہ ریشی ناموں میں درج ہے۔ بعد میں تاریخی اور نیم تاریخی تذکروں میں بابا صاحب کا مختصر مگر جامع ذکر آیا ہے۔ حتیٰ کہ صاحبِ تحائف الابرار نے لکھا ہے کہ :

”تمہ احوالِ آں صاحب در کتاب ریشی نامہ مفصل

مکتوب و مرقوم است۔“

واقعہ یہ ہے کہ بابا رجب الدین، بابا تشکور الدین اور بابا فخر الدین تین بھائی تھے۔ تینوں ہی فوج میں افسر تھے۔ ایک دفعہ تینوں گھر کی طرف آرہے تھے۔ اپنے ساتھ ایک شراب کی مٹکی بھی لائے تھے کہ راہ میں ایک شخص سے ملاتی ہوئے اور جبراً شراب سے بھری مٹکی اس پر لاد دی۔ منزل تک پہنچ کر اسے حکم دیا کہ شراب پیالیوں میں انڈیل دے۔ وہ شخص جب شراب انڈیلنے لگا تو مٹکی سے شراب کے بدلے دودھ نکلنے لگا۔ تینوں بھائی انگشت بدنداں ہو کے رہ گئے۔ اس شخص سے نام پوچھا تو جواب ملا — بابا بام الدین۔ نام سُنتے ہی تینوں بھائی تا ب ہو کر بڑی منت سماجت کے بعد بابا بام الدین کے



حلقہ مریداں میں شامل ہو گئے اور ان کے ساتھ بڑھ چلے گئے۔ بابا بام الدین نے ایک مدت تک تینوں بھائیوں کو تعلیم و تربیت سے سرفراز کیا۔

خدمت، محنت، عبادت اور ریاضتِ شاقہ کے بعد حضرت بابا رجب الدینؒ نے روحانی کمالات حاصل کئے۔ کہا جاتا ہے کہ کوہِ داراش، جو کہ پرگنہ مانچھہامہ میں واقع ہے اور جس کی بلندی چھ ہزار فٹ ہے، پر بھی بابا صاحب مذکورہ نے ایک مدت تک گوشہ نشین ہو کر عبادت کی۔ پہاڑ کے دامن میں رطس اور چیوڑارہ دیہات آباد ہیں اور پہاڑ پر بابا صاحب کی ایک زیارت گاہ بھی ہے۔ آخر پر اپنے بارہ خدمتگار ریشیوں کے ساتھ آپ ناکہ نارین میں نحو عبادت ہو گئے۔ آپ نے راہِ حق کے بے شمار مسافروں کی رہنمائی فرما کر ان کو فیضیاب کیا۔ عبادات و ریاضات اور رزقِ حلال پر خاص زور دیا کرتے تھے۔ مانگ کر کھانے سے یا نذر و نیاز پر تنگی کرنے سے ریشیوں، مُردیوں اور نادموں کو سخت منع کیا کرتے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دیگر زیارت گاہوں کے مجاوروں اور خدمت گاروں کی طرح آپ کی زیارت گاہ واقع ناکہ نارین میں کوئی شخص نذر و نیاز مانگ کر کسی کو تنگ نہیں کرتا۔ حضرت بابا رجب خود مصحفِ مجید کی کتابت فرما کر آرزو حاصل کرتے تھے اور ریشیوں کو بھی خود کام کارج کرنے کی ہدایت فرماتے۔ اس لئے کچھ گائیں چرانے، کچھ ٹوپیاں سینے اور کچھ لنگر چلانے کے کام پر مامور تھے۔ جو ریشی صاحبان گائیں چرانے پر مامور ہوا کرتے تھے، وہ جنگلوں میں نحو عبادت ہو کر گائیوں کو بھول جاتے اور روایت ہے کہ جنگلی درندے ان مویشیوں کی حفاظت کرتے اور شام کو ہانک ہانک

کہ اس ٹیلے تک لے آتے، جس کو آج تک حساب ٹینگ کہتے ہیں اور اسی جگہ ان کا شمار کیا جاتا۔ لنگر میں وہ پہلے ہاکھ اور کاسنی پکتی تھی۔ اکثر ریشی روزہ دار ہوتے تھے اور پانی سے افطار کر لیتے تھے۔ صدیاں گزرنے کے بعد ناگہ ناریں کے اس چھوٹے سے مرکز ریشیاں میں اب لنگر کے آثار باقی نہیں ہیں، تاہم علاقے کے معتقدین اکثر وہاں نیاز دلاتے رہتے ہیں۔

بابا صاحب نے ایک لمحہ بھی سنت نبوی کی متابعت کے بغیر نہیں گزارا ہے۔ آپ کی عبادات، ریاضات، کرامات اور روحانی درجات کے پیش نظر تذکرہ نگاروں نے آپ کو مختلف القاب اور مجموعہ صفات سے یاد کیا ہے، مثلاً اعیان الاتقیاء (پرہیزگاروں کی آنکھیں)، اکابر المرشدین (مُرشدوں کے اکابر) اور دانائے اسرار وغیرہ۔ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری پسر خیر الزمان خان کشمیری مجددی نے لکھا ہے کہ :

”حضرت بابا رجب کشمیری کا مخلص اللہ، وکان  
 اعیان الاتقیاء، واکابر المرشدین، صاحب الوریع والزہد  
 والاستقامہ علی القواعد الشرعیۃ والقوانین الطریقیۃ۔  
 بابا رجب الدین از خلفائے بابا بام الدین است، دانائے  
 اسرار بودند، باسہ برادر از ولایت آمدہ بود، دیگر فخر الدین  
 وشکور الدین، زندگی در لباس لوکری گذرانیدند۔ بصیحت  
 ونظر بابا بام الدین دست از دنیا برداشتند و تخم  
 طلب الہی در دل کاشتند۔ بابا رجب الدین در دامن کوہ  
 ناگہ ناریں پر گنہ مار تہند گوشہ عزلت نمود، وقوت خود



از کتابت کلام اللہ فرمود۔ بادوازدہ از ریشیان دریں مکان تا آخر عمر بہ تجرید و تقرید گذرانید۔ خواب گاہ او در بکندی موضع مزمور واقع است و مرجع خاص وعام۔“

• — (واقعات کشمیر ص ۷۳، ۷۴)

اسی طرح صاحب ”تحائف الابرار“ نے لکھا ہے کہ بابا بند کور صاحب کمالات عالیہ تھے۔ آپ نے بے شمار کشمیریوں کو ہدایت کا راستہ دکھایا۔ آپ کے بارہ مرید تھے جو کہ سب کے سب اکمل تھے۔ آپ کا مقبرہ آج تک محل فیوض و برکات اور جگتے نزول رحمت ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو:

”بابا رجب الدین ریشی از مریدان و توابعان حضرت بابا بام الدین ریشی است، در ابتدا از نامش بابا رجب میر بود، پس چون جذبۃ الہیش دست داد و کشش نمود، از دنیا و مافیہا دست بردار و سزار گردید، در خدمت بابا بام الدین توبہ و انابت کردہ کمر ہمت بر میاں جان بر بستہ و در ریاضات شاقہ عمر باقی را بسر برد۔ دی و قدمی بغیر از متابعت سنت نبوی علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نمی زد و از صاحبان کمالات عالی گردید و بدرجۃ اکملیت سرفراز و ممتاز گردید، وے را دوازدہ مرید کامل اکمل بودند و در تمام عمر خود غذائی خود را از کتابت مصحف مجید حاصل می کرد۔ جم غفیر مردمان کشمیر را ہدایت و دلالت بدرگاہ حضرت رب العزت شب و روز می فرمود۔“

واقعات کشمیر ص ۷۳، ۷۴

برہمندی آسودہ شد و اذان روز مقبرۂ متبرکہ وی محل فیوض  
و برکات و جائے نزول رحمت خالق است و تتمۂ احوال اُس  
صاحب در کتاب ریشی نامہ مفصل مکتوب و مرقوم است۔

• — (تحائف الابرار ص ۱۱۰ ، ۱۱۱)

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت بابا رجب الدین ریشی کے خلفا کی  
تعداد بارہ بتائی جاتی ہے۔ لیکن ان سب کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔ تاہم ان  
میں سے بابا نوروز ریشی، بابا ہر دی ریشی اور بابا چالاک ریشی اعلیٰ درجے کے  
ریشی تھے۔ تینوں صاحب کرامات اور ولی کامل ہو گئے ہیں۔ ریشی ناموں  
میں بابا نوروز ریشی مذکورہ اور بابا ہر دی ریشی مذکورہ کا تفصیلی تذکرہ ملتا  
ہے۔ حضرت بابا رجب الدین کی وفات کے بعد تحریک ریشیت کے اس چھوٹے  
سے ذیلی مرکز واقع ناگہ نارین کی قیادت حضرت بابا نوروز ریشی کو جو کہ صاحب  
کشف و ریاضت تھے، سونپ دی گئی۔ اُن کے واصل حق ہونے کے بعد  
یہ ذمہ داری حضرت بابا ہر دی ریشی کو اٹھانا پڑی۔ آپ وہ ہر دی ریشی نہیں  
ہیں جو ریشی مول کے نام سے مشہور ہیں اور جن کا مرقد اسلام آباد (اننت ناگ)  
میں آج تک مرجع خلائق ہے۔ حضرت بابا رجب الدین کے مرقد کے بارے  
میں پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ ناگہ نارین میں ہے۔ اس مرقد شریف  
کے دائیں اور بائیں طرف چھ اور قبریں ہیں جن کے بارے میں مشہور ہے  
کہ ایک حضرت بابا نوروز ریشی اور دوسری بابا ہر دی ریشی کی ہے۔ باقی

لے حضرت بابا نصیب الدین غازی کے نور نامہ میں حضرت ریشی مول ہر دی ریشی کا ذکر  
نہیں ملتا۔ ہر دی ریشی خلیفہ بابا رجب الدین کا ذکر نور نامہ میں موجود ہے۔

(نور نامہ ص ۲۹۰ ، ۲۹۱)



تربتوں کے متعلق لوگوں کو صحیح معلومات نہیں ہیں۔ ایک اور قبر زیارت گاہ کے  
 باہر مسجد کے ساتھ بائیں کونے پر واقع ہے، جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ بابا  
 حاجی ریشی یا بابا باندہ ریشی کی ہے۔ زیارت گاہ سے پرے ذرا اونچائی پر  
 چالاک ریشی کی قبر ہے۔ آج سے تقریباً بیس سال قبل زیارت گاہ کی صدیوں  
 پرانی سادہ مگر یادگار عمارت کو شہید کر کے نئی عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ پرانی  
 عمارت پر بوج پتر کی چھت تھی۔ نئی عمارت کے بنانے کے دوران اُس قدیم ترین  
 لنگر کے چولہوں کو بھی اکھاڑ دیا گیا جو مدتوں تک تحریک ریشیت کے کارکنوں  
 کا مطبخ ہوا کرتا تھا۔ نئی ٹین پوش عمارت پختہ اینٹوں سے تعمیر کی گئی ہے۔ ایک  
 غلام گردش بھی بنایا گیا ہے۔ ساتھ ہی ایک مسجد شریف بھی تعمیر کی گئی ہے۔  
 مسجد سے ملحقہ ایک مصنوعی تالاب تعمیر کیا گیا ہے جو پانی کے RESERVOIR  
 کا کام دیتا ہے اور ماحول کی خوبصورتی میں اضافے کا باعث بھی ہے۔ زیارت گاہ  
 کے ساتھ ہی ایک قبرستان بھی ہے۔ جہاں بہت کم سنگ ہائے مزار موجود  
 ہیں اور کسی بھی سنگ مزار پر کچھ لکھا ہوا نہیں ہے۔ تلاشِ سیار کے بعد راقم الحروف  
 کو ایک ناتراشیدہ پتھر پر چند حروف دیکھنے کو ملے۔ لیکن وہ بھی پڑھ نہ جاسکے۔  
 زیارت گاہ میں یا گاؤں کے کسی شخص کے یہاں ان ریشیوں کے تبرکات بھی نہیں  
 ملے مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ زیارت گاہ کو وسعت دینے کی غرض سے ریشیوں  
 کے چولہے اکھاڑنا پڑے۔

۲۵ یہ تالاب اب (میں ۱۸ جولائی ۱۹۹۹ء کی بات کر رہا ہوں) خشک پڑا ہے۔ راقم  
 کو اس روز وضو کیلئے کبھی پانی دستیاب نہیں ہو سکا۔ آخر ایک شخص کے گھر میں  
 وضو کرنے جانا پڑا۔ اللہ تعالیٰ اس صورتحال کو نزولِ رحمتِ باراں سے جلد بدل دے (آمین)

ہیں۔ زیارت گاہ میں ہر سال ۷، ۸ جمادی الاول کو شبِ خوانی ہوتی ہے اور  
 نعمت المعظمت کی مجالس آراستہ کی جاتی ہیں<sup>۱۷</sup>  
 خدا رحمت کند ان عاشقانِ پاک طینت را



مآخذ:

- ۱، تاریخِ حسن حصہ سوم
- ۲، تحائفُ الابرار
- ۳، واقعاتِ کشمیر
- ۴، ریشی نامہ از ملا بہاوالدین مٹو
- ۵، ذاتی تحقیق و زربانی روایات



۱۷ میں پروفیسر غلام محمد شاد صاحب کا شکریہ ادا کرنا اپنا فریضہ سمجھتا ہوں جنہوں نے  
 اس مضمون کی تیاری کے سلسلے میں نہایت فراخ دلی سے اپنے مخطوطات بہم  
 رکھے اور میں نے تاریخی تذکروں سے استفادہ کیا۔ (آتش)



## مولانا حسن آفاتی

پیر عزیز اللہ حقانی نے آپ کا سال تولد ۱۹۷۹ء مطابق ۱۵، قلمبند کیلئے ہے جو کہ صحیح نہیں لگتا کیونکہ اکثر تذکرہ نویسوں کا کہنا کہ خواجہ حبیب اللہ جتئی نوشہری (م ۱۹۲۷ء) نے اپنی ابتدائی تعلیم مولانا حسن آفاتی سے ہی حاصل کی ہے۔ جبکہ خواجہ کی ولادت سال ۱۹۱۳ء میں ہوئی ہے اس لحاظ سے شاگرد کی ولادت اُستاد سے پہلے قرار پانا بعید از امکان دکھائی دیتا ہے۔ تذکرہ نگاروں کے بقول مولانا حسن آفاتی پر گنہ بھاگ کے رہنے والے تھے البتہ یہ معلوم نہ ہو سکا پر گنہ مذکور کے کس علاقہ میں بود باش رکھتے تھے اور اُن کی ولادت کہاں ہوئی ہے۔

’خوارق السالکین‘ کے مصنف نے مولانا حسن کو ’شاو دوران‘ اور ’بادشاہ کون و مکان‘ سے یاد کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے علم دین کے معاملے

---

۱۔ ملاحظہ ہو پیر عزیز اللہ حقانی، تحفۃ الکبریٰ، مخطوط۔

۲۔ وسط ایشیائی مطالعاتی مرکز، کشتیر، نیورٹری۔

میں از حد جستجوئی۔ بہر حال اپنے وقت کے برگزیدہ علما و فضلاء میں اُن کا شمار ہوتا ہے اور علوم ظاہری میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ چنانچہ بہت سے طالب علم کو اپنے آبِ زلال سے سیراب کیا اور سحابِ کرم سے نوازا۔ یہاں تک کہ خواجہ حبیب اللہ جتئی جیسے صوفی بزرگ، شاعر و ادیب نے آپ کے پاس آکر زانوئے ادب تہہ کئے اور شرفِ تلمذ حاصل کیا۔

خوارق السالکین میں درج ہے کہ مولانا حسن آفاقی ابتدا میں شیخ یعقوب صوفی (م۔ ۱۰۰۳ھ) کے حق میں حُسنِ ظن نہیں رکھتے تھے۔ لہٰذا چنانچہ بعد میں جنابِ رساتما کے غیبی ارشاد سے اور میاں مانک شاہ مجذوب کی ظاہری تحریک پر شیخ موصوف کے شاگرد رشید اور خلیفہ برگزیدہ محمد میر کے حلقہٴ ارادت میں شامل ہوئے اور اُن ہی کی رہنمائی میں سلوک و ریاضت کے مراحل طے کئے۔ لہٰذا

۱۔ احمد ابنِ صبور، خوارق السالکین، مخطوط ورق ب/ ۱۲۵

۲۔ احمد ابنِ صبور، خوارق السالکین، مخطوط ورق د/ ۱۲۵

۳۔ پیر غلام حسن شاہ اس ضمن میں رقمطراز ہے کہ: مولانا حسن آفاقی نے ایک روز حضورِ رسالت مآبؐ کو خواب میں دیکھا جنہوں نے اُسے کتابوں کے خالی خوری لفظوں سے نکل کر معنی پر غور کرنے کی تلقین کی۔ اس کو فالِ نیک جان کر مولانا نے اپنے شاگرد خواجہ حبیب اللہ سے مشورہ کیا چنانچہ باہمی مشورہ پر دونوں میاں مانک شاہ مجذوب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جنہوں نے دونوں کی طرف تقریباً چھ ماہ تک کوئی توجہ نہ کی۔ اتنا عرصہ گزرنے پر ایک دن مولانا اس عزمِ مصمم کیساتھ میاں موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ اُنکی بے رخی کا سبب پوچھ لیں۔ اُسی روز میاں صاحب (باقی صفحہ ۲۸)



صاحب "فتحات کبرویہ" کا کہنا ہے کہ "۱۸ رجب ۷۷۹ھ (صحیح ہے ۷۷۹ھ) کو محمد میر خلیفہ نے حضارِ مجلس سے فرمایا کہ آج آنحضرت (شیخ یعقوب صرئی) نے کشمیر کی دو عظیم شخصیتوں کو میرے حوالے کیا۔ جب ۲۸ رجب کو ایک خط محمد میر کے نام موصول ہوا اُس میں لکھا تھا کہ دو اشخاص اپنے بیٹے میر کو سپرد کئے تاکہ دونوں کی نگہداشت اچھی طرح کی جائے"۔<sup>۱</sup> اس کے بعد جب شیخ یعقوب صرئی "جو اُن دنوں کشمیر سے باہر ہندوستان کے صوبہ ابراہ آباد میں مقیم تھے، اپنے وطن مراجعت کی تو مولانا حسن آفاقی اُنکی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن کی صحبتوں سے کسب فیض کیا۔ شیخ موصوف نے مولانا کو خط ارشاد سے نوانا اور اپنا جامہ مبارک بھی عنایت کیا۔"

مولانا موصوف کی زندگی کے حالات پوری طرح دستیاب نہیں۔ ایک اندازہ کے مطابق آپ نے ۱۰۱۸ھ میں وفات پائی اور مادہ تاریخ وفات درج ذیل فارسی قطعہ سے ماخوذ ہے۔

بقیہ ماشیہ ۳ صفحہ ۷ سے آگے: نے انہیں کچھ پیسے دیکر بازار سے شراب لانے کو کہا۔ چنانچہ بادل ناخواستہ وہ لائے میاں نے ..... وضو کے برتن میں ڈال دی اور پینے کو کہا جس سے انہوں نے انکار کیا اور وہاں سے راہ فرار اختیار کی۔ محمد میر خلیفہ کی خدمت میں پہنچ گئے (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تذکرہ اولیائے کشمیر، ص ۲۶۷-۶۸)

۱۔ ملاحظہ ہو عبد الوہاب نوری، فتحات کبرویہ، مخطوط۔

"اس اقتباس میں دو اشخاص سے مراد مولانا حسن آفاقی اور خواجہ حبیب اللہ جتئی ہیں۔

۲۔ خواجہ محمد اعظم، واقعات کشمیر، مطبوعہ ۱۱۳۰ھ۔

(ب، پیر غلام حسن، تذکرہ اولیائے کشمیر، ص ۲۶۸۔

چوں زد نیارفت برون شاہ دوران آں حسن  
 آنکہ اندر علم دین کرد از حد جستجو  
 سال تاریخ وفات آنشہ کون و مکان لہ  
 ہاتھ غیبی گفت از زینت مستان بگو (۱۰۱۸)  
 شہر سری نگر کے مضافات میں واقع علاقہ نوشہرہ میں آپ کا  
 مدفن بتایا جاتا ہے لہ



لہ احمد ابن صبور، خوارق السالکین، مخطوط ورق ب/۱۲۵  
 ابجد کے حساب سے زینت مستان ۱۰۱۸ کے اعداد کے برابر نکلتا ہے  
 'کتاب الدوائر' کے مصنف نے سال وفات ۱۰۱۷ھ لکھا ہے۔  
 (ملاحظہ ہو کتاب الدوائر، مخطوط ورق ب/۴۱)  
 اسکے برعکس پیر غلام حسن نے سال وفات ۱۰۱۰ھ درج کیا ہے۔  
 (ملاحظہ ہو تذکرہ اولیائے کشمیر، مطبوعہ ص ۲۶۸)  
 اسکی توثیق مفتی محمد شاہ سعادت اور محی الدین مسکین نے بھی کی ہے۔  
 ملاحظہ ہو حیات صرفی ص ۹۲ تاریخ کبیر ص ۱۷۵-۷۶)  
 لہ ۱۱، عبدالوہاب نوری، فتحات کبرویہ مخطوط ورق ر/۱۵۶  
 اب، محی الدین مسکین سرانے بلی تاریخ کبیر ص ۱۷۵-۷۶  
 پیر غلام حسن نے مولانا کی قبر ملا کبیر کے متصل نوشہرہ میں ہی قرار دی ہے۔  
 (ملاحظہ ہو تذکرہ اولیائے کشمیر، مطبوعہ ص ۲۶۸)



## بابا عثمان اوچپ گنائی<sup>۷</sup>

کشمیر میں اسلام کا پرتو چھٹی صدی ہجری مطابق بارہویں صدی عیسوی کے اختتام پر پڑا، جب رینجو (رینچن شاہ) نے لار کے قلعہ گگنہ گیر میں راجہ سہدیو کے وزیر رام چندرینہ کو قتل کیا۔ رینجو ۴۳۹۶ لوک سال مطابق ۱۳۲۰ء مطابق ۷۲۰ھ میں کشمیر کا بادشاہ بن گیا۔ اس کے عہد ۲۳-۱۳۲۰ء میں حضرت سید شرف الدین بلبل شاہ وسطی ایشیاء سے آکر واد کشمیر ہوئے۔ رینجو اس کے اثر سے دائرہ اسلام میں آیا۔ اس طرح رینجو، جناب بلبل شاہ کا مرید بن گیا۔

رینجو نے پہلی بار کشمیر میں اپنے پیر و مرشد (رہبر) حضرت سید شرف الدین بلبل شاہ کی ایما پر مسجد شریف اور اس کے ساتھ سنگر خانہ قائم کئے، جہاں رینجو جس کا نام اس کے پیر و مرشد نے اسلام قبول کرنے کے بعد صدر الدین رکھا، نماز ادا کرتا تھا۔ اس مسجد شریف اور سنگر خانہ کے آثار کشمیر میں موجود

ہیں۔ اس مسجد شریف سے قبل کشمیر میں کسی مسجد کے آثار نہیں ہیں۔ سلطان صدر الدین نے کشمیر پر قریباً تین سال سے کچھ اوپر تک حکومت کی سلطان صدر الدین نے ۴۶۹ھ لوک سال مطابق ۱۳۲۳ء مطابق ۷۲۳ ہجری میں وفات پائی۔ سلطان صدر الدین کے عہد حکومت میں حضرت سید شرف الدین بلبل شاہ کی موثر تبلیغ سے کشمیر کے لوگوں کی بھاری تعداد دائرہ اسلام میں آئی۔ سید شرف الدین کے ہمراہ آئے ہوئے ان کے دیگر مبلغوں نے بھی کشمیر میں اسلام پھیلانے میں کافی حد تک کام کیا۔ حضرت سید شرف الدین بلبل شاہ کا وصال ۷۲۷ ہجری مطابق ۱۳۲۷ء مطابق ۴۶۳ھ لوک سال میں ہوا۔

حضرت سید شرف الدین کے وصال کے بعد کشمیر میں اسلام پھیلنے میں دزنگی واقع ہوئی۔ تبلیغی کام میں مستی آگئی۔ جو مبلغ حضرت بلبل شاہ کے ساتھ وارد کشمیر ہوئے تھے وہ بھی ایک ایک کر کے اس دنیا سے چل بسے۔ سلطان صدر الدین کے بعد سلطان شاہ میر ۱۳۳۹ء مطابق ۷۳۹ھ مطابق ۴۷۵ھ لوک سال میں کشمیر کے تخت پر شمس الدین کے نام سے بیٹھا۔ اس نے اپنے دور حکومت میں اسلام کے تبلیغی مشن کو جاری رکھا۔ اگرچہ اس کے بعد بھی کسی حد تک اسلام کا تبلیغی کام جاری رہا مگر اسلام کے مبلغ نہ ہونے کی وجہ سے اسلام صحیح طور پر کشمیر میں نہ پھیل سکا جب تک ۷۸۵ھ مطابق ۱۳۸۳ء مطابق ۴۷۹ھ لوک سال میں حضرت میر سید علی ہمدانی وسطی ترکستان سے وارد کشمیر ہوئے۔ انہوں نے سرینگر پہنچنے پر سلطان قطب الدین کے مسافر خانہ واقع علاؤ الدین پورہ متصل (چنگن) وہاں میں قیام کیا۔ چنگن وہاں کے بدھ راہب سے مباحثہ ہوا۔ آخر پر بدھ راہب حضرت میر سید علی ہمدانی کے اثر سے اپنے



شاگردوں سمیت دینِ اسلام سے مشرف ہوا۔ بدھ راہب کے اسلام میں منسلک ہونے سے بدھوں کی بھاری اکثریت نے بھی اسلام قبول کیا۔ اس کے علاوہ بہت سارے غیر مسلموں نے بھی اسلام قبول کیا۔ حضرت میر سید علی ہمدانیؒ کے ہمراہ آئے ہوئے ساداتِ کرام نے بھی غیر مسلموں کی بیعت کی۔

اس طرح کشمیر میں اگرچہ جناب بلبل شاہؒ کے زمانہ میں کشمیر میں بیعت کرنی یعنی پیر و مریدی کا سلسلہ شروع ہوا تھا، تاہم حضرت میر سید علی ہمدانیؒ کے دور میں پیر و مریدی کے سلسلہ میں کافی وسعت حاصل ہوتی۔ یہاں تک جب سلطان سکندر کے عہد ۷۹۶ھ مطابق ۱۳۹۴ء مطابق ۱۴۷۷ء لوگ سال میں جناب میر محمد ہمدانیؒ فرزند ارجمند جناب میر سید علی ہمدانیؒ ساداتِ کرام کی بڑی جماعت کے ساتھ واردِ کشمیر ہوئے، تو انہوں نے کشمیر میں مسجدیں اور خانقاہیں تعمیر کیں، ہر شہر اور قصبہ میں درس گاہیں قائم کیں۔ اس طرح اُنکے ہمراہ آئے ہوئے ساداتِ کرام کی سعی سے اسلام کا نور کشمیر میں ہر طرف پھیلنا شروع ہوا۔ پیری و مریدی کا سلسلہ بھی سرعت کے ساتھ پھیلنے لگا۔

کشمیر کے مسلمانوں نے دل و جان سے پیری و مریدی کے سلسلہ کو اپنایا۔ اس سلسلہ کی بدولت اسلام کا نور کشمیریوں کے دلوں میں جگمگا اٹھا، نتیجہ کے طور پر انہوں نے اسلام سے صحیح جانکاری حاصل کی اور انہیں عرفان حاصل ہوا۔ تواریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب میر سید محمد ہمدانیؒ قریباً اٹھارہ سال تک کشمیر میں اسلام پھیلاتے رہے۔ یہاں تک کہ جناب میر محمد ہمدانیؒ، جناب شیخ العالمؒ کے مُرشد (رہبر) بن گئے اور انہیں پیر مریدی کا خطِ ارشاد ۸۱۴ھ مطابق ۱۴۱۱ء مطابق ۱۴۸۷ء لوگ سال

میں عطا کیا، جو خالقہ معلیٰ کی لائبریری میں موجود ہے۔ سلطان سکندر کی  
 وفات ۸۱۶ھ مطابق ۱۴۱۳ء مطابق ۱۴۸۹ء لوک سال سے پہلے ہی میر  
 محمد ہمدانی زیارت حرمین شریفین کے لئے چلے گئے۔ انہوں نے اپنے ہمراہ  
 لائے ہوئے کئی ساداتِ کرام کو کشمیر میں تبلیغِ دین کے لئے یہاں رہنے کی  
 اجازت دی۔ ساداتِ کرام نے تبلیغِ دین کا کام بطریقِ احسن انجام دیا،  
 یہاں تک وہ اسی زمین میں پیوست ہو گئے۔ کشمیر میں جا بجا گاؤں، دیہاتوں  
 اور شہروں میں ان باسعادت ساداتِ کرام (رہبروں) کے مقبرے اور خالقائیں  
 تاحال موجود ہیں۔ ان سعادت مند ساداتِ کرام (رہبروں) کے بعد کشمیر میں  
 جاری شدہ پیری و مریدی کا سلسلہ قائم و دائم رہا۔ سلطان زین العابدین کے  
 دورِ حکومت ۸۷۴-۸۲۳ھ مطابق ۱۴۷۰-۱۴۲۰ء میں بھی بہت سارے  
 ساداتِ کرام واردِ کشمیر ہوئے۔ ان ساداتِ کرام نے کشمیر میں تبلیغِ اسلام  
 کے کام کو آگے بڑھایا، اسی طرح پیری و مریدی کے سلسلہ کو بھی جاری رکھا۔  
 کشمیر کے بیشتر لوگوں نے پیری و مریدی کے سلسلہ میں اپنے آپ کو منسلک  
 کیا۔ نتیجے کے طور پر کشمیر میں مختلف پیری و مریدی کے سلسلہ جات کی ابتداء  
 ہوئی اور مختلف سلسلوں کے مُرشدوں نے پیری و مریدی کے سلسلہ کو اپنے  
 نقطہ نظر کے مطابق وسعت دی، جو تاحال جاری ہے۔ کشمیر میں اس وقت  
 پیری و مریدی یعنی اسلامی تصوف کے کئی سلسلے ہیں، جن میں سلسلہ کبرویہ،  
 چشتیہ، غوثیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ وغیرہ ہیں۔ ان سلسلوں کا مقصد  
 بھی اسلام پھیلانا ہے۔

سلطان زین العابدین کے عہد ۷۴۷-۸۲۳ھ میں حضرت بابا اوچپ گنائی



کو داعیہ طلبی مُرشد (رہبر) ہوا۔ حضرت بابا اوچپ گنائی کشمیر کے نجائے شہر میں سے تھے۔ آپ شہر سرینگر کے رہنے والے تھے۔ اپنے عہد کے با اثر لوگوں میں سے تھے۔ اس زمانہ کے رواج کے مطابق ”گنائی“ لکھے پڑھے لوگوں کا لقب تھا۔ منشی، مفتی، پٹواری، وثیقہ نویس وغیرہ کو ”گنائی صاحب“ کہہ کر پکارتے تھے۔ بابا عثمان اوچپ گنائی مروجہ تعلیم سے فارغ ہوئے تو خدا شناسی کا ذوق اور شوق اُن کے دل میں موجزن ہوا اور مُرشد کی تلاش کی فکر میں پڑ گئے۔ یہاں کے صاحب دلول اور خدادستوں سے استفادہ کر کے سفر کا ارادہ کیا اور دنیا کے اطراف کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے حرمین شریفین (مکہ و مدینہ) پہنچے۔ وہاں شیخ اسحاق شطاری کی خدمت میں مشرف ہو کر اُن سے منازلِ طریقت اور اسرارِ حقیقت کا استفادہ کیا۔ شیخ شطاری نے حضرت بہار الدین گنج بخش سے فیض یاب ہونے کی تلقین فرمائی اور موخر الذکر کے اوصاف اور نشانیاں بیان فرمائیں۔ حضرت بابا عثمان اوچپ گنائی ارکانِ حج پورا کرنے کے بعد کشمیر آئے اور حضرت شیخ بہاؤ الدین گنج بخشؒ کی صحبت اور ملازمت سے مشرف ہوئے اور ان کے زیر تربیت رہ کر خود نہایت محنت اور جانفشانی سے وہ ریاضتیں، مجاہدے اور عبادتیں کیں جن سے وہ اعلیٰ مرتبہ پر پہنچے۔ حضرت بہاؤ الدین گنج بخشؒ کے علاوہ حضرت شیخ نور الدین نورانی اور بابا حاجی ادھیہؒ کی صحبت سے مزید فائدے حاصل کئے۔ جب رحلت فرمائی تو مزارِ سلاطینؒ

لے موجود مزارِ سلاطین، جو بڑھوں کے بھٹارک مٹھ (غالباً متصل پیرانا شاہی محل) پر قائم کیا گیا ہے، اس کو بڑو مزار (بڈشاہ یعنی سلطان زین العابدین) کے نام سے بھی جانا جاتا ہے کیونکہ سلطان بڈشاہ نے اس گنبد (مقبرہ) کو اپنے عہد میں قدم بنیاد پر تعمیر کیا ہے۔ اس گنبد میں سلطان بڈشاہ کی ماں آسودہ ہے جو سلطان سکندر کی بیگم تھی۔

زینہ کدل میں مرزا حمید روغلت کی قبر کے آگے دفنائے گئے۔ ان کے پوتے، نواسے اور ان کی ذریت کے افراد علم اور پرہیزگاری کے زیور سے آراستہ تھے۔

کشمیر کی سب سے پرانی فارسی زبان میں لکھی گئی دستیاب تاریخ سید علی بن سید محمد کشمیری کی ہے جو اُس نے سلطان یوسف شاہ کے پہلی دفعہ کشمیر کا سلطان بننے کے عہد ۹۸۷ھ مطابق ۱۵۷۹ء مطابق ۱۶۵۷ء لوگ سال میں تالیف کی ہے۔ وہ اس تاریخ میں بابا عثمان اوچپ گنائی کے حالات کے متعلق لکھتے ہیں :

”حضرت بہار الدین گنج بخش“ یہ حضرت شاہ شہیدان خواہ

اسحاق خٹکائی کے خلفاء میں سے ہیں اور وہ خود حضرت غوث الصمدانی علی الثانی میر سید علی ہمدانی کے خلیفۃ الخلفاء تھے۔ شیخ بہار الدین اپنے شیخ کے حکم پر ہند اور کشمیر میں لوگوں کو راہ حق کی تلقین کرتے تھے۔ یہ بڑے صاحب مرتبہ بزرگ اور بڑے درجہ والے تھے۔ کشف و کرامت میں اس جیسا دوسرا کوئی درویش اُس زمانہ میں نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ ہر جمعہ مکہ مکرمہ نماز ادا کرنے کیلئے پہنچ جاتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت بابا عثمان گنائی رحمۃ اللہ علیہ حرمین شریفین کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تھے، وہاں انہوں نے چاہا کہ وہ قاضی ابوالاسحاق رومی قدس سرہ کا مرید ہو جائے۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ بابا عثمان نے کہا کہ میں کشمیر سے آیا ہوں۔ حضرت قاضی ابوالاسحاق نے فرمایا کہ کشمیر سے ہر جمعہ کے دن نماز ادا کرنے کی غرض سے ایک عزیز آتا ہے۔ یہ سُن کر بابا عثمان علیہ الرحمۃ جمعہ کے روز ازل وقت میں حرم مکہ معظمہ



میں داخل ہوئے۔ اس وقت حضرت شیخ بہار الدین وہاں بیٹھے تھے اور انہوں نے اپنے سر پر چادر رکھی ہوئی تھی۔ جب نماز جمعہ لوگوں نے ادا کی اور سب حرم سے باہر نکل گئے تو وہاں تنہا شیخ بہار الدین رہ گئے۔ بابا عثمان علیہ الرحمہ شیخؒ کو پہچان کر اس کے سامنے آئے اور چاہا کہ اس کے ہاتھ کو بوسہ دے۔ اسی دوران شیخؒ غائب ہوئے۔ بعد میں بابا عثمانؒ قاضی ابوالسحاقؒ کے پاس آئے اور عرض کی کہ اب مجھے رخصت دی جائے تاکہ میں کشمیر جا کر پیر کے سامنے حاضر ہو جاؤں۔ اس وقت سید حسن بلادر دہلیؒ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ اس نے بھی حضرت قاضی سے اس لئے رخصت چاہی تاکہ وہ بھی کشمیر جا کر شیخ علیہ الرحمہ کو دیکھیں انہوں نے انکو اجازت دی اور وہ بھی بابا عثمانؒ کے ہمراہ کشمیر آ کر حضرت شیخؒ سے ملاقات کرنے کے بعد حضرت شیخ بہار الدینؒ سے سلوک کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔

اسی تاریخ میں مؤرخ سید علی کشمیری صفحہ نمبر ۲۸ پر بابا عثمانؒ کے بارے میں مرزید اس طرح لکھتے ہیں :

”سلطان زین العابدین (بڈ شاہ) کو خواب میں الہام ہوا کہ یہ کیسی غفلت کی نیند ہے کہ قطب عالم (بہار الدین) شہید ہوا ہے اور تم ابھی خواب غفلت میں ہو۔ اسی وقت سلطان نیند سے بیدار ہوا اور اس کے دل میں گُندازا کہ شیخ بہار الدین کو شہید کیا گیا ہے۔ چاہا کہ اس اٹھ کر جاؤں مگر سید محمد (بیہقی کے چھاتی)

کی لڑکی نے جانے کی اجازت نہ دی۔ سلطان عاجز ہوا اور وعدہ  
 کیا کہ شیخ بہاؤ الدین فوت ہوا ہے، میں اس کو لاؤں گا اور اپنے  
 مزار میں دفن کروں گا، اس لئے مجھے جانے کی اجازت دیدے۔ اس  
 سلسلے میں آپ جو کچھ مانگیں گے، میں وہ دے دوں گا۔ اس  
 ضعیفہ نے اس بارے میں اس سے وعدہ لیا۔ وعدہ لینے کے بعد  
 اس نے کہا کہ شیخ بہاؤ الدین کو میرے مزار میں دفن کرنا چاہیے۔  
 چونکہ سلطان نے وعدہ کیا تھا، اس لئے وہ وعدہ کے خلاف نہیں  
 کر سکتا تھا۔ صبح کے وقت وہ اس جگہ پہنچا، جہاں پر شیخ کو شہید  
 کیا گیا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے چاہا کہ اس کو تابوت میں رکھ کر  
 لے جائیں۔ مگر بابا عثمان گنائی اور سید حسین بلادروی نے بتایا کہ  
 شیخ نے ہمیں وصیت کی ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو مجھے پاؤں  
 میں رسی باندھ کر کھینچتے کھینچتے لے جانا چاہیے۔ یہ سُن کر سب  
 ارکانِ حکومت متحیر ہوئے کہ اس مسئلے کو کیسے حل کریں؟ ملک  
 احمد تیو، جو اُن دنوں نوجوان تھا، اس نے اس مسئلہ کے حل کے  
 بارے میں سلطان سے عرض کی کہ ایک گھوڑہ بنا کر لایا جائے تاکہ  
 اس پر تابوت رکھ کر رسی باندھ کر ————— لے جائیں۔  
 یہ بات سلطان اور اس کے تمام ارکانِ حکومت نے قبول کی۔ اس  
 پر عمل پیرا ہو کر اس کی نقشِ مبارک ————— اُس جگہ  
 پہنچائی گئی، جہاں وہ مدفون ہیں۔ انہوں نے چاہا تھا کہ اُن کی  
 نقشِ مبارک کو قبرستان کے اوپر لے جائیں اور وہاں ہی دفن



کریں۔ انہوں نے سخت زور کر کے کوشش کی کہ اس کو اوپر  
 تک لے جائیں، لیکن وہ اس کو اوپر نہ لے جاسکے۔ یہی وجہ ہے  
 کہ وہ سب آسودگال کے نیچے۔۔۔ کی طرف دفن ہیں۔ ایسا انکے  
 کمالات میں سے ہے۔“

آگے چل کر مؤرخ سید علی بن سید محمد کشمیری اسی تاریخ میں دوسری جگہ صفحہ نمبر ۵۳ پر  
 جناب بابا عثمان گنائیؒ کے مرتبہ اور درجہ کے بارے میں لکھتے ہیں :

”سلطان محمد کشمیری (پگلی) جملہ اکمل اولیاء کشمیر میں سے تھے۔  
 ان کے بعد ولایت کے مرتبہ میں کامل شیخ بہار الدینؒ (کشمیری) تھے۔  
 ان کے بعد عارف باللہ شیخ الشیوخ نور الدین علیہ الرحمۃ والرضوان  
 ان کے بعد جملہ اکمل اولیاء میں سے بابا عثمان گنائیؒ مذکور تھے۔ ان  
 کا مقبرہ مزار سلطین میں ہے۔ ان کے بعد حضرت شیخ نور الدینؒ کے  
 چار خلیفے ہیں۔ جن میں ہر ایک گوشہ نشین اور تارک الدنیا تھے۔  
 ہر ایک نے کشمیر کے کونے کونے میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ ہر ایک  
 اپنے وقت کے شیخ تھے۔“

• — (ترجمہ اُردو تاریخ سید علی مملوکہ کاپی مضمون نگار صفحات ۲۸-۵۲-۵۲)

مؤلف تاریخ ہادی (خوارق السالکین) احمد بن صبوحہ اپنی اس تاریخ کے صفحہ نمبر ۶۸ پر  
 حضرت بابا عثمان اوچپ گنائیؒ کے حالات میں بدیہی طور لکھتے ہیں :

”بابا عثمان المشہر باوچپ گنائیؒ۔ دل از جہل و ضلال برداشته  
 مرشد فائق جو بیان ذکر خالق گویان سیاحت بلاد عرب و عجم کردہ در  
 مکہ معظمہ نشان مرشد یافتہ، باز مراجعت بایں دیار فرمود، لبشر ف

ویدار قطب روی زمین حضرت شیخ بہار الدین مشرف شدہ مرید  
گشت در بدایت حال سالک صادق بودہ نہایت مجذوب مطلق  
شد و تا آخر حیات سالکان را رہبری کرد۔

قطب ۷

سرور اہل وصال و رہبر اہل کمال      مفخر اہل جلال و پادشاہ کامیاب  
داور ملک حقیقت حاکم شہر عمل      ماہی بحر طرقت پیشوائی شیخ و شاب  
نقل است کہ سرور متقین حضرت سلطان زین العابدین روزی  
در خدمت افضل محققان حضرت بابا عثمان رفتہ التماس کرد کہ مرا  
ارادہ سیر تالاب اولر است و ایشان ہم رفاقت نمایند۔ حضرت بابا  
التماس او قبول نمودہ، فرمودند کہ شما بروید ما ہم خواہیم رسید۔ پادشاہ  
بکشتی نشست و جانب تالاب اولر رواں شد۔ چوں در میان  
تالاب اولر رسید و دید کہ حضرت بابا بر سجادہ خود نشستہ از سر آب  
میگذرید۔ پادشاہ بارفقاہ آں خارق ایشان بچشم خود مشاہدہ کرد  
در مکان قرار داد رسیدہ باہم صحبت داشتند۔

نقل ست کہ روزی پادشاہ تمکین حضرت سلطان زین العابدین  
از خدمت اکمل کاملان حضرت بابا عثمان در حق خود استدعای  
دعائی خیری نمود، ایشان بجدبہ تمام بسوی او نگاہ کردہ فرمود  
کہ حق تعالی ترا مغلوب جذبہ کند۔ آخر الامر اثر نفس بابا بظہور  
بیہوشت کہ در آخر عمر پادشاہ را جذبہ غالب شد، چوں ایشان از  
دنیا بر رفتند در قبرستان سلطان سکندر کہ معروف بہ مدو مزار



دفن کردند۔“

• — (ترجمہ: ”بابا عثمانؒ جو اوچپ گنتی کے نام سے معروف ہیں، انہوں نے بے خبری، جہالت اور گمراہی سے دل برداشتہ ہو کر برگزیدہ اور بہتر مُرشد کی تلاش، رَبُّ الْعَالَمِينَ کا ذکر اور عرب و عجم کی سیاحت کرتے ہوئے مکہ معظمہ میں مُرشد کا نشان پا کر، پھر اپنے ملک میں واپس پہنچے۔ رُوی زمین کے قطب حضرت شیخ بہاؤ الدین کے دیدار سے مشرف ہو کر اُن کا مُرید ہوا۔ آغاز ہی سے سچا سالک تھا اور بعد میں مجذوب مطلق ہوا اور اپنی زندگی کے آخر تک سالکوں کی رہبری کی۔  
قطعہ ۷

اہل وصال کے سردار اور اہل کمال کے رہبر  
اہل جلال کے بزرگ اور کامیاب بادشاہ  
ملک حقیقت اور شہر عمل کے حاکم  
طریقت کے سمندر کی مچھلی اور لوگوں کے پیشوا

نقل ہے کہ پیر ہمیز گاروں کے سردار حضرت سلطان زین العابدین ایک دن تحقیق کرنے والوں کے بزرگ حضرت بابا عثمانؒ کی خدمت میں آیا اور ان سے التماس کی کہ میرا ارادہ تالاب اولر کی سیر کرنا ہے، اسلئے آپ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ حضرت بابا نے اس کی التماس قبول کی اور فرمایا کہ آپ چلے جائیں، ہم بھی آجائیں گے۔ یہ سُن کر بادشاہ کشتی میں بیٹھا اور تالاب اولر کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ تالاب کے بیچ میں پہنچ گیا، تو اس نے دیکھا کہ حضرت بابا (عثمان گنتیؒ) اپنے

سجادہ پر بیٹھے ہوئے پانی پر سے گزر رہے ہیں۔ بادشاہ اور اُس کے رفقاء نے ان کی اس کرامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ انہوں نے مقرر شدہ جگہ پر پہنچ کر باہم ملاقات کی۔

نقل ہے کہ ایک دن عزت والے بادشاہ حضرت سلطان زین العابدین نے اکمل کا ملان حضرت بابا عثمانؒ سے اپنے لئے دعائی خیر کی استدعا کی۔ انہوں نے پورے جذبہ سے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ حق تعالیٰ تجھے مغلوب جذبہ کرے۔ انجام کار بابا کی دُعا کا اثر ظاہر ہوا کہ بادشاہ کو عمر کے آخری حصے میں جذبہ غالب ہوا۔ جب انہوں نے (بابا نے) دنیا سے نقل کیا تو ان کو سلطان سکندر کے قبرستان جو بڈ مزار کے نام سے مشہور ہے، میں دفن کیا گیا۔“

• — (تاریخ ہادی مخطوطہ نمبر ۲۳ ریسرچ لائبریری، یونیورسٹی کشمیر)

تاریخ کشمیر کے مؤرخ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری اپنی تاریخ ”واقعات کشمیر“ میں حضرت بابا عثمانؒ اوچپ گنئی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”بابا اوچپ گنئی“ اپنے عہد کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ اس زمانے کے عرف کے مطابق ”گنئی“ لکھے پڑھے لوگوں کا لقب تھا۔ منشی، مفتی، پٹواری، وثیقہ نویس وغیرہ افراد کو ”گنئی صاحب“ کہہ کر پکارتے تھے۔“

بابا عثمانؒ گنئی کے مُرشد کی تلاش وغیرہ کے بارے میں اکثر وہی حالات لکھے ہیں جو اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری، بابا عثمانؒ کے حالات میں مزید لکھتے ہیں کہ ان کے خاندان کے اکثر افراد علم اور پرمیزگاری کے زیور سے آراستہ تھے۔



اس بابے میں اس کی تاریخ کی عبارت ملاحظہ ہو، جس میں اُن کی وفات کا سال بھی لکھا گیا ہے :

”خاوادۃ بابا عثمانؒ را حق تعالیٰ در علم و تقویٰ برکت داد۔ اکثر احفاد و ذریات ایشان را کار با فضیلت و علم افتاد۔ در عہد بڈشاہ ۸۶۱ھ مطابق ۱۷۴۷ء رحلت یافت۔“

تواریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بابا اوچپ گنائی کے خاندان کے نکوکار، تقویٰ شعار اور صاحبانِ علم و فضل افراد میں سے بابا جب گنائی، بابا بیتی گنائی، ملا فیروز گنائی، تنوگ گنائی، ملا فونی گنائی اور بایزید عاصمی وغیرہ گذرے ہیں۔



### کتاب نامہ

- ۱۔ تاریخ سید علی بن سید محمد کشمیری
- ۲۔ تذکرۃ العارفین از ملا علی رینہ
- ۳۔ تاریخ خوارق السالکین از احمد بن عبد الصبور
- ۴۔ بہارستان شاہی از طاہر
- ۵۔ فتحات کبرویہ از عبد الوہاب نوری
- ۶۔ واقعات کشمیر از خواجہ محمد اعظم دیدہ مری
- ۷۔ تاریخ حسن از غلام حسن شاہ کھوسہ پامی
- ۸۔ تاریخ کبیر از محی الدین مسکین
- ۹۔ تاریخ بڈشاہی از محمد دین فوق

## بابا حاجی بلنجی

بابا حاجی بلنجیؒ، اندجان کے والی تھے۔ اندجان بلنج اور بخارا کے درمیان میں واقع ہے۔ بابا حاجی بلنجیؒ پختے عاشق اور خدا شناس تھے۔ کائنات کے اسرار سے پوری طرح واقف تھے۔ کمالات اور مقامات میں بلند پایہ کا مرتبہ رکھتے تھے، سلوک میں صاحبِ کمال تھے۔ عشقِ الہی کے سمندر اور ریاضت و عمل کے مرد میدان تھے۔ بابا حاجی بلنجیؒ بعد اوائی مناسک حج اور زیارتِ حرمین شریفین اور صحبتِ ابرار اور مشائخِ کبار سے مشرف ہو کر کشمیر میں تشریف فرما ہوئے۔ مورخ ”خوارق السالکین“ احمد بن صبور اپنی اس تاریخ میں ان کی جائے پیدائش وغیرہ کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں :-

”بابا حاجی المعروف بہ بلنجی اصلش بلنج ست و نامش الہوروی بطریق سیاحت درین دیار آمدہ اقامت نمود۔ نسبت ارادتش در طریقت معلوم نگشتہ۔ اما در سلسلہ کبرویہ عمل میگرد مقبرہ ایشان

شعبۂ فارسی کشمیر یونیورسٹی، حضرت بل حرینگ



درجہ زونی مر واقع است۔ چون از ولایت آمدہ در اینجا متاہل شد  
اولادانش در ہمان محلہ سکونت دارند۔ نظم ۷

آفتاب برج عرفان بود و شاہ ملک شوق  
پیشوائی اہل عالم بود و ماہ اورج ذوق  
بادشاہ ہفت کشور بود و پیر اہل دین  
مقتدای اصفیاء خضر راہ واصلین

● — (خوراق سالکین صفحہ نمبر ۱۱۴)

جب حضرت بابا حاجی بلخیؒ سیر و سیاحت کرتے ہوئے کشمیر تشریف  
لائے تو حضرت سلطان العارفین محبوب العالم قدس سرہ نے شیخ بابا داؤد  
خاکیؒ کو ان کے استقبال کے لئے بارہمولہ بھیجا۔ ان جیسے بزرگوں کی صحبت  
نے ان کو پھر کشمیر سے کہیں باہر جانے نہ دیا۔ ایسے بزرگوں کے باطنی فیض  
سے مالا مال ہو کر ارشاد کے خاص خلعت سے سرفراز ہوئے۔ عالی شان اور  
بلند مرتبہ خدا دوستوں کی صفِ اول میں جگہ پائی۔ آسپہار کے غار میں جو نہایت  
ہمی عمیق تھا، خلوت نشین ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ لوگ  
کثرت سے ان کی خدمت میں آتے تھے اور اپنے اپنے مقاصد و مطالب  
پاتے تھے۔ آخر بابا حاجی بلخیؒ نے شادی کی اور گھر بار بسایا۔

حضرت حاجی بلخیؒ قدس سرہ اکثر اوقات اپنے مرشد حضرت  
شیخ بابا داؤد خاکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتے تھے۔ ان کے بدن کے ہر  
تارِ مٹوسے ”اللہ“ کی آواز حاضرین کے کانوں میں آتی تھی۔ حضرت حاجی بابا بلخیؒ  
حضرت بابا داؤد خاکیؒ اور حضرت خواجہ حبیب اللہ نوشہریؒ کے ساتھ محبت  
و مودت رکھتے تھے اور اکثر اوقات نماز جمعہ حضرت حبیب اللہ نوشہریؒ کی

خانقاہ میں پڑھتے تھے۔ تاریخ کبیر کے مورخ غلام محی الدین مسکین اپنی تاریخ میں اس بات کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

”حضرت حاجی داؤد بلخی قدس سرہ اکثر اوقات در خدمت مُرشدِ خود حضرت شیخ داؤد خاکی رحمۃ اللہ علیہ آمد و رفت مے نمود و از ہر بن مویش اسم ذات مسموع میگردید منقول است کہ حضرت داؤد خاکی دبا با حاجی و حضرت خواجہ حبیب اللہ نوشہریؒ با ہم دیگر کمالِ محبت و مودت داشتند و اکثر اوقات نماز جمعہ را در خانقاہ حضرت خواجہ مے کردند۔“

• — (تاریخ کبیر جلد اول صفحہ نمبر ۱۷۷)

منقول ہے کہ خانقاہ حضرت حبیب اللہ نوشہریؒ کے خادمان حضرت بابا حاجی داؤد بلخیؒ کو کھانا کھانے کے لئے کہا کرتے تھے۔ ایک دن بابا حاجی بلخیؒ نے ان کی دعوت کو قبول کیا، اور یہ بھی بتا دیا کہ میرے ساتھ ایک سٹو آدمی بھی ہونگے جو کھانا کھائیں گے۔ خادموں نے سب مہمانوں کے لئے کھانا پکایا۔ آخر بابا حاجی بلخیؒ وقتِ موعود پر کھانا کھانے کے لئے اکیلے آگئے اور پکایا کھانا کھا گئے۔ اتنا ہی نہیں خادموں سے اور کھانا لانے کے لئے کہا۔ جو بھی کھانا گھر میں موجود تھا خادموں نے وہ بھی پیش کر دیا۔ حضرت باباؒ نے یہ سارا کھانا بھی کھالیا۔ اس کے بعد کچھ کھانا لانے کو کہا۔ خادمان عاجز ہوئے، انہوں نے یہ سارا باجرا خواجہ حبیب اللہ نوشہریؒ کے گوش گزار کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ان کے لئے بازار سے کھانا لاؤ۔ انہوں نے ایسا ہی کیا بازار سے کھانا لا کر بابا حاجیؒ کے سامنے رکھ دیا۔ اس کے بعد بابا حاجیؒ نے فرمایا کہ حریفوں کو کیا کہا جائے۔ خادموں نے جو کچھ کھانا پیش کیا وہ سارا



میں نے کھالیا، مگر بازار کا کھانا نہیں کھا سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر بابا حاجیؒ اٹھ کر چل دئے اور بازار سے لایا ہوا کھانا وہاں ہی چھوڑ دیا۔ مورخ احمد بن صبور اپنی تاریخ ”خوارق السالکین“ میں اس بات کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

”خادمان خالقہ (خواجہ حبیب اللہ نوشہریؒ) ہر مرتبہ بابا حاجیؒ بلنچے

را تکلیف چیز خوردن میگردند۔ روزے سوال آسہنا قبول نموده فرمودند

کہ صد کس ہمراہ ماخواہند بود۔ خادمان برا بر آن طعام تیار کردند۔ آخر

روز حضرت باباؒ تہنارفتند آن ہمہ طعام کہ خادمان برا بر آن طعام تیار کردند۔

آخر روز حضرت باباؒ تہنارفتند آن ہمہ طعام کہ خادمان پختہ کردہ بودند

تناول فرمودند طعام دیگر طلب کردند۔ خادمان را ہرچہ درخانہ صفا

داشتند نیز حاضر کردند۔ حضرت باباؒ آن ہم تناول نموده چیز دیگر

طلبیدند۔ خادمان عاجز آمدند۔ ازان مقدمہ خواجہ حبیب اللہؒ را

اطلاع دادند۔ باسراشان نان بازار آوردہ درپیش حضرت باباؒ

گذاشتند۔ بعد از آن فرمودند حریفان را کسی چہ کند والا ہرچہ می

آوردید میخور دیم، برخاستند و رفتند۔ پس خادمان بار دیگر تکلیف

ضیافت نہ نمودند۔“

• — ”خوارق السالکین“ صفحہ نمبر ۴۲-۴۱

مؤلف تاریخ حسن اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ بابا حاجیؒ نے شادی

کی، تو لوگ ان سے دور ہو گئے۔ جب حضرت بابا حاجیؒ سے اس واقعہ کے

بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں اس قوم کی شریعت سے واقف

ہو گیا ہوں۔ یہ اُن سے دور بھاگتے ہیں۔ جو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی پیروی کرتے ہیں اس طرح یہ حق سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور باطل کی طرف

جلدی دوڑتے ہیں۔ جب شیخ نازک میر نے یہ بات سنی، تو انہوں نے فرمایا کہ اس کلام سے معشیت کی تنگی اور سختی کی بُد آتی ہے۔ انہوں نے دوستوں سے چندہ جمع کر کے مناسب اور موزون خرچ حضرت حاجی باباؒ کے گھر بھیج دیا۔ اُن کے اپنے مخلص رفیقوں نے کوئی امداد نہ کی۔

بابا داؤد مشکواتی لکھتے ہیں کہ خواجہ خاوند محمود قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے اس ملک میں لوگوں کو درختوں کی پرستش کرتے دیکھا ہے۔ جہاں کہیں کوئی بڑا درخت ہوتا ہے تو یہاں کے لوگ اس بھوتوں کا ٹھکانہ مانتے ہیں۔ خیرات اور صدقہ وہاں لے جا کر بانٹتے ہیں۔ مسلمانوں میں یہ بھی دیگر مذاہب سے آیا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ یہ درخت کو کسی خدا دوست سے منسوب کرتے ہیں۔ میں نے بطور مذاق کہا کہ بیوقوفی، کم ہمتی اور بخیلی و کجھوسی کے باعث یہ لوگ خدا دوستوں سے صحبت نہیں رکھتے ہیں اور ضرورت کے وقت ان کی خدمت نہیں کرتے ہیں۔ چونکہ شیخ اور پیر رہنما سے بھاگتے ہیں۔ خواجہ قدس سرہ ہنس پڑے اور فرمایا \_\_\_\_\_ حاتم اھم

نے فرمایا ہے کہ میں نے لوگوں سے پانچ چھ چیزیں چاہی تھیں، لیکن ایک بھی نہ پائی۔ خدا کی بندگی ان سے چاہی، انہوں نے نہ کی۔ میں نے کہا میری مدد کرو تاکہ میں خدا کی بندگی کروں۔ انہوں نے مدد نہ کی۔ میں نے کہا اگر میں خدا کی بندگی کروں تم مجھ سے راضی ہو جاؤ۔ راضی نہ ہوئے۔ میں نے کہا مجھے خدا کی بندگی سے نہ روکو۔ انہوں نے روک دیا۔ پھر میں نے کہا۔ جس بات میں خدا کی رضا نہیں، اس کی تکلیف مجھے نہ دو۔ انہوں نے کی۔ میں نے کہا اگر کسی کام کے کرنے میں تمہارا تابع نہ رہوں گا، تو میرے ساتھ عداوت نہ کرو۔ مگر انہوں نے عداوت کی۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شیخ داؤدؒ بلند مرتبہ



والے دوستِ خدا تھے۔ رحلت کے بعد ان کی نعش مبارک محلہ ”زونی مر“  
میں سپردِ خاک کی گئی۔

حضرت بابا داؤد خاکیؒ نے اپنی تالیف ”قصیدہ لامیہ“ میں حاجی بابا بلخیؒ  
کے بارے میں اس طرح اُن کی سراہنائی ہے۔

حاجی بلخیؒ آست از یارانِ مایہ ذوق و شوق

چون کبوترِ ذاکر است ایزدِ ہاوشِ پروبال

• — (صفحہ نمبر ۴۲)

حاجی بابا داؤد بلخیؒ صاحبِ تصنیف نہیں تھے۔ تواریخ میں ان کی کمی تصنیف  
کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔



## شاہ قاسم حقانی

اپکا نام قاسم۔ شاہ حاجی اور حقانی کے القاب سے جانے جاتے ہیں۔ والد بزرگوار کا اسم گرامی میر محمد کھٹا جو میر اسماعیل بن میر ابراہیم بن میر شمس الدین کے احفاد ہیں سے تھے۔ موصوف کی ولادت ۲۹ ماہ رجب ۹۵۸ھ بمطابق ۱۵۵۱ء کو بتائی جاتی ہے۔ مادہ تاریخ تولد قرۃ العین نجیہ کہہ کر اخذ کیا گیا ہے۔ انکی عمر ابھی دو سال کو ہونے کو آئی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپکے ابتدائی حالات زندگی پردہ اخفایں ہی رہے ہیں لیکن چونکہ علوم ظاہری میں مہارت تامہ حاصل کی تھی لہذا ملکہ لقب سے متصف ہوئے۔

ازلی توفیق نے یاری کی۔ شیخ یعقوب صرّانی (م۔ ۱۰۰۳ھ) کے باطنی اشائے پر محمد میر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خلیفہ موصوف کی خدمت

---

\* وسط ایشیائی مطالعاتی مرکز۔ کشمیر یونیورسٹی سری نگر



میں رہ کر سلوک و ریاضت کے مراحل طے کئے اور درجہ تکمیل کو پا گئے چنانچہ خلیفہ مذکور نے انہیں خط ارشاد سے نوازا جو کہ ۹۹۷ھ میں رقم ہوا ہے۔

حضرت ایشاں شیخ یعقوب صرّفی کی وطن واپسی پر ان سے مزید کسب فیض کیا۔ چنانچہ شیخ موصوف کی تربیت میں رہ کر ذکر کی گرمی سے ان کے کپڑوں میں آگ لگ جاتی تھی اور سردی کی شدت محسوس کئے بنا لنگے بدن سے لہو ٹپکنے لگتا تھا۔ اسی ریاضت شاقہ اور خدمات شائستہ کی بنا پر شیخ موصوف نے انہیں خط ارشاد سے نوازنے کے علاوہ اپنا خرقہ مبارک بھی عنایت کیا۔

اپنے پیر و مرشد شیخ یعقوب صرّفی کے وصال بحق ہونے کے بعد شاہ قاسم نے میدانِ سیاحت میں قدم رکھا۔ کشمیر کے اکثر دیہاتوں اور قصبہ جات کا سفر کیا۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں گئے اور بعض اولیاء اللہ کی صحبتوں سے مستفید ہوئے۔ چنانچہ قصبہ اُجین (ہند) میں شیخ فضل اللہ قادری سے صحبت کا شرف پایا اور ان سے سلسلہ قادریہ کا اجازت نامہ حاصل کیا۔ بعض تبرکات حاصل کر کے انہیں اپنے ساتھ کشمیر لائے۔

شاہ قاسم نے سورت بندر کے مقام پر خواجہ جمال الدین مشہور رب دیوانہ جو خواجہ اسلام جو باری سے منسوب تھے، کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی صحبتوں سے فیض پایا۔ حضرت شاہ نے خواجہ موصوف سے طریقہ نقشبندیہ کی تعلیم پائی اور خواجہ موصوف نے چند تبرکات بھی شاہ کو بخش دیئے۔

واقعات کشمیر کے مصنف کے بقول شاہ قاسم نے فتح پور سیکری کے مقام پر شیخ سلیم چستی سے ملاقات کی۔ شیخ موصوف نے انکی استعداد کا مشاہدہ کر کے اُسے سلسلہ عالیہ چشتیہ سے سرفراز کیا۔ اسکے برعکس لطائف

الحقانی کے مصنف کا کہنا ہے کہ جب شاہ قاسم پانچویں بار فریضہ حج کی ادائیگی کے سلسلے میں مدینہ طیبہ میں مقیم تھے تو شاہ موصوف نے شیخ سلیم حسینی کی بابرکت صحبت کو پایا۔

مولانا شاہ قاسم کئی بار زیارت بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے چنانچہ مشہور ہے کہ انہوں نے سات بار حرمین کی زیارت کی۔ اور اسی بناء پر حاجی الحرمین کے لقب سے متصف ہوئے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کی زیارات سے فیضیاب ہونے کے علاوہ اکثر اولیائے کبار کی صحبتوں سے مشرف ہوئے۔

شاہ قاسم نے اپنی زندگی میں ایران کا سفر کیا ہے اپنے اس سفر میں مشہد مقدس کے مقام پر حضرت علی ابن موسی الرضاؑ کے روضہ اقدس کی زیارت کی۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں دو سال تک قیام کیا اور معنوی فیوضات اخذ کئے۔ اپنے پیرومرشد شیخ یعقوب صرّفی کی متابقت میں کولاب (تاجکستان) کے مقام پر حضرت شاہ ہمدانؒ کے مرقد منور پر حاضری دی اور اپنی اور اپنی قوم کبطرف سے عقیدت کے کچھول بچھا کر رکئے۔ علاوہ انہیں شاہ قاسم نے روم کا سفر بھی کیا ہے۔

خوارق السالکین کے مصنف کا کہنا ہے کہ شاہ قاسم نے شیخ بابا علیؒ کی صحبتوں سے بھی استفادہ کیا ہے جب شیخ موصوف نے کشمیر کو اپنا مادامسکن بنایا۔ واضح رہے کہ شیخ بابا علیؒ شاہ قاسم کے پیرومرشد شیخ یعقوب صرّفی کے ہم عصر اور ہم پیر تھے۔ بہر کیف دونوں صوفی بزرگوں کا ایک دوسرے سے کسب فیض کے ضمن میں شاہ قاسم کو دربار رسالت سے عالم رویا میں حقانی کا لقب عنایت ہوا جن دیگر معاصرین سے



شاہ قاسم حقانی کو صحبت رہتی تھی ان میں میر سید حمزہ کمریری اور خواجہ مسعود پانپوری خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

مختلف علاقوں کی سیاحت اور بعض اولیائے کبار کی صحبتوں سے اخذ فیض کرنے کے بعد کشمیر میں بہت سے لوگوں کو راہ حق کی طرف راغب کیا اور انہیں منصفہ شہر وڈنگ پہنچانے میں انکی رہبری کی۔ چنانچہ انکے شاگردوں نیز خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ایک اندازہ کیمطابق یہ تعداد ۷۲ کے قریب ہے یہاں بعض برگزیدہ خلفاء کے نام ثبت کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ خواجہ یعقوب دار بابا بااھر کچھ خواجہ قاسم تاشوانی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

ایک اندازے کیمطابق شاہ قاسم حقانی نے بہت ساری کتابیں تصنیف کی ہیں<sup>۱۹</sup> لیکن مستند ماخذ سے اسکی تصدیق نہوسکی اور نہ ہی انکی کسی تصنیف کا نام ہم تک آپہنچا ہے۔

اپنی زندگی کے آخری ایام کشمیر میں بسر کئے بالآخر دس روز کی مختصر علالت کے بعد نصف شب بروز جمعہ بتاریخ ۲۹ ماہ ذی الحج ۱۳۲۳ھ اپنے مہمان کو داغ مفارقت دے گئے۔ ادوہ تاریخ وفات مقرب خاص شیخ الکامل اور زری آفتاب صدی شاہ قاسم جیسی فارسی تراکیب سے ماخوذ ہے۔

شہر سری نگر کے ایک تاریخی مقام علاء الدین پورہ کے محلہ نرپرستان میں انکی زیارت گاہ محل فیوض وبرکات ہے چنانچہ مقبرہ پر سرکندے لگنے کیوجہ سے یہ جگہ اب تک نرپرستان کے نام سے ہی موسوم ہے۔ چنانچہ شاہ قاسم کا عرس ہر سال کشمیری کلینڈر کے مطابق ۲۹ مہاگن کو منعقد کیا

جاتا ہے۔ اُنکے مزار پر کندے لگنے کی روایت اُنکے وفات کے دن سے  
 ہی رہی ہے جسکی کیفیت معرفتہ الحقانی کتاب میں تفصیل کیسا کھد درج  
 ہے۔

۱۔ کہا جاتا ہے کہ ۲۰ سال کی عمر میں علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کیا اور طریقت  
 کا سلسلہ اپنے والد ماجد میر اسماعیل سے پایا، صاحبِ بیاضت گزرے ہیں۔ ۹ ماہ  
 ربیع الاول ۹۶۱ھ کو وفات پائی اور مزارِ سلطین میں ابدی نیند سو رہے ہیں  
 (ملاحظہ میر عزیز اللہ حقانی، لطائف حقانی ص ۷)

۲۔ شاہ قاسم حقانی کے غاندانی اسلاف میں میر شمس الدین شامی کا نام سرِ بکوردہ  
 بزرگوں میں شمار ہوتا ہے۔ آپ ملکِ شام کے رہنے والے تھے۔ پرسیدلی ہمدانی  
 کی معیت میں رہ کر عقیدتِ مندی اور خدمتِ گزاری کا فریضہ انجام دے کر  
 اُنکے خلفاً میں شمار ہوئے۔ اپنے اہل و عیال کیسا کھد شاہ ہمدان کے ہمراہ  
 وارد کشمیر ہوئے۔ اور آخری عمر تک یہیں مقیم رہے بالآخر ۲۰ ماہ ذی القعو  
 ۹۳۲ھ / ۱۳۹۱ھ کو داعی اجل لبیک کہہ گئے۔ لنگرِ صفہ میں  
 پیر حاجی محمد قاری کے مقبرہ میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

تفصیل کیلئے دیکھئے:

(۱) عبدالوہاب نوری، فتحاتِ کبرویہ ورق ب / ۱۸۸

(ب) خواجہ محمد اعظم، واقعاتِ کشمیر ص ۱۳۱

(ج) پیر غلام حسن، تذکرہ اولیائے کشمیر ص ۲۲

(د) مفتی محمد شاہ سعادت، حیاتِ صرفی ص ۹۷

(ه) میر عزیز اللہ حقانی، لطائف الحقانی ص ۲۹



۳۰ ابجد کی رو سے قرۃ العین نجباء ۹۲۷ کے اعداد کے برابر بنتا ہے جو تاریخ تولد سے مربوط دکھائی نہیں دیتا ہے۔ چنانچہ لطائف الحقائق کے اردو مترجم نے 'القرۃ العین نجباء' سے مادۃ تاریخ ولادت اخذ کیا ہے جو ۹۵۸ کے اعداد کے برابر لگتا ہے۔

۳۱ دسویں صدی ہجری میں کشمیر کے ایک دینی رہنما، صوفی بزرگ، شاعر وادیب مفسرِ محدث اور عالم گزرے ہیں۔

۳۲ محمد نام اور میر خاندانی لقب تھا۔ خلیفہ اول شمار کئے جاتے ہیں اپنے پیروں کی ارادت میں آکر سلوک و ریاضت کے مراحل طے کئے ہندوستان کے اکثر مقامات کی سیاحت کی اور کشمیر کے اکثر دیہات کا دورہ کیا اپنی ساری زندگی کشمیر میں گزاری اور زندگی کے آخری ایام کشمیر سے ملحق علاقہ بکھیلی میں بسر کئے بالآخر ۳۴ ماہ محرم الحرام ۵۱۷ھ کو وہیں وفات پائی۔ آپ کا مدفن بکھیلی میں محل فیوض و برکات ہے۔

ملاحظہ ہو ۱، خواجہ حبیب اللہ جتئی، مقامات حضرت ایشاں ورق/۱۸۳

ب، بابا داؤد مشکواتی، اسرار الابرار معطوط ورق ب/۲۶۴

ج، عبدالوہاب نوری، فتحات بحر وہ ورق ۱/۲۲۱

د، خواجہ محمد اعظم، واقعات کشمیر ص ۱۲۰۔

۳۳ محمد میر خلیفہ رقص و سرودا وید و جد و حال میں ہمیشہ مست رہتے تھے ملا قاسم جو ساز و سرع کے سنکر تھے اور محمد میر خلیفہ کے حق میں حُسنِ ظن نہیں رکھتے تھے۔ اُن سے اکثر اس بارے میں استفسار کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ ایک دن خلیفہ موصوف نے قصبہ پانپور کے نزدیک زاوورہ کے مقام محفلِ سماع

آراستہ کی۔ ملاقا سم نے خلیفہ کو تہنہ کرنے کی غرض سے وہاں کا ارادہ کیا اور مجلس میں جا پہنچے۔ جو نہی خلیفہ کے چہرہ پر نظر پڑی فقر تھرانے لگے خلیفہ نے شیخ یوسف سوئی کو اشارہ کیا کہ شکار کا وقت ہے شیخ نے یہ بیت ترتم کے ساتھ پڑھا۔

خنجر کشیدہ بر سر قلم شتاب چیت

خود کشتہ می سوم ترا اضطراب چیت

ملاقا سم دہد میں آئے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو خلیفہ کے پاؤں پڑے۔ خلیفہ نے کہا کہ ملا ہی رہو گے یا شاہ! عرض کیا جو حکم ہو گا۔ خلیفہ نے کہا کہ حضرت الی شان نے مجھے غائبانہ بشارت دی ہے کہ جس کسی کو میں تمہارے پاس بھیج دوں اس کو شاہ بنا دیا جائے۔ لہذا آپ کو خطاب شاہی دیا جاتا ہے۔ (۱: عید الوہاب نوری، فتاح کبرویہ ورق ۱۰۶ ب: پیر غلام حسن، تذکرہ اولیائے کشمیر ۲۲۲-۲۲۳)

اس واقعہ کے رونما ہونے کے بعد شاہ قاسم میدان موسیقی کے شاہسوار بنے یہاں تک کہ دوسرے لوگوں کو اس بارے میں تردد ہو چنانچہ یہ تردد شاہ موصوف کے انتقال کے وقت جاتا رہا جب قبل از وفات اپنے مرقد پر سر کنڈ اُگنے کی پیشگوئی فرمائی۔ جو فی نوازی کی سب سے بڑی علامت تصور کی جاتی ہے اور جس میں کرامت کا بہت بڑا عمل دخل موجود ہے۔

حک ۱۱۱ (۱) خواجہ محمد اعظم، واقعات کشمیر ص ۱۳۱ (ب) پیر غلام حسن، تذکرہ اولیائے کشمیر ص ۲۲۳۔ (ج) میر عزیز اللہ حقانی، تحفۃ الحقانی ص ۵۷

۱۲ میر عزیز اللہ حقانی، لطائف الحقانی ص ۵۷

۱۳ خواجہ محمد اعظم، اشجار الخلد مخطوط ورق ۸۶



ب، مفتی غلام سرور، خزینۃ الاصفیا مطبوعہ ج ۲ ص ۳۴۷  
 ۸۶ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا کمرہ مبارک، شاہ ہمدانؒ کی کلاہ نیز تسبیح اور  
 خواجہ نقشبند کا کمر بند ایسے تبرکات میں شامل ہیں۔ یہ تبرکات اب تک  
 خاندانِ حقانی کے پاس محفوظ ہیں۔ (ملاحظہ میر عزیز اللہ حقانی، لطائف الحقانی ص ۱۷۰)  
 نیز بحر الاسرار ص ۲۶۔

۸۷ در خواجہ محمد اعظم، واقعات کشمیر ص ۱۲۱  
 مفتی غلام سرور، خزینۃ الاصفیا ج ۲ ص ۳۴۷۔  
 ۸۹ میر عزیز اللہ حقانی، لطائف الحقانی ص ۸۳  
 ۹۰ در خواجہ محمد اعظم، واقعات کشمیر ص ۱۲۱۔  
 نیز (ب، مفتی محمد شاہ سعادت، حیات صرفی مطبوعہ ص ۹۴، قصیدہ مخمر  
 الاسرار ص ۲۹ بھی دیکھیے۔

۹۱ میر عزیز اللہ حقانی، لطائف الحقانی ص ۹  
 لیکن یہ ملاقات بعید از امکان دکھائی دیتی ہے کیونکہ شیخ سلیم  
 چشتیؒ ۹۸۰ء میں وفات پا گئے تھے جبکہ شاہ قاسم نے اپنے پیرومرشد  
 شیخ یعقوب کے وصال کے بعد جو ۱۰۰۳ھ میں رونما ہوا، میدان سیاحت  
 میں قدم رکھا ہے۔

۹۲ میر عزیز اللہ حقانی، لطائف الحقانی ص ۹۲۔  
 ۹۳ قصیدہ مخمر الاسرار ص ۲۶۔

۹۴ میر عزیز اللہ حقانی، لطائف الحقانی ص ۱۰۹  
 ۹۵ ، ، ایضاً ، ، ص ۱۰۹

۹۶ احمد ابن صبور، خوارق السالکین مخطوط ورق ب/ ۸۴

ﷺ نبیؐ اور عالم رؤیا لقب ایساں بصر فی گفت  
 کہ حالی اس شہی عالی ملقب شد یہ حقانی (لطائف الحقانی ص ۱۱۲)  
 اللہ میر عزیز اللہ حقانیؒ لطائف الحقانی ص ۱۰۳  
 رسالہ ہذا کے مصنف مزید لکھتے ہیں کہ شاہ قاسم کی تصانیف اطراف  
 کے رہنے والے خلفا کے پاس موجود ہیں لیکن زلمنے کے دست برد  
 کے نتیجے میں ان تصانیف کے بقول انکی ذریت کے پاس موجود نہیں  
 ہیں۔





# شیخ بہاؤ الدین گنج بخشؒ

کشمیر میں عہدِ سلاطین کا باضابطہ آغاز شہمیری سلاطین سے ہوتا ہے۔ یوں تو اس خاندان کے اکثر بادشاہ بہت ہی نیک، رعایا پرور اور لائقِ گز رہے ہیں اور اُن میں سلطان زین العابدین اس خاندان کا کل سرسبد مانا جاتا ہے۔ اس کا عہد (۱۳۵۵ھ) سنہری دور کہلانے کا مستحق ہے۔ اُس نے رفاہ عامہ کے کاموں کو اپنی اولین ترجیحات میں شامل کیا تھا۔ یہ سیر و عزتِ بادشاہ یہاں کے مسلمانوں اور ہندوؤں میں یکساں مقبول تھا۔ اس لئے بعض لوگ اسے بڑے شاہ یعنی ہندوؤں کا بادشاہ اور بعض لوگ اسے بڑے شاہ یعنی عظیم بادشاہ کہتے ہیں۔ وہ علم و فن کا مربی تھا۔ عربی اور فارسی میں شعر کہتا تھا۔ عالموں اور فاضلوں کا بڑا قدر دان تھا۔ اس کے علاوہ وہ خود نہایت متقی اور پرہیزگار تھا۔ چنانچہ صوفیاء، مشائخ اور اولیاء کبار کا بھی بڑا معقد اور گرویدہ تھا۔ ان سے ہمیشہ عزت و احترام کے ساتھ پیش آتا تھا۔

معرفت / شعبہ فارسی، کشمیر یونیورسٹی، سرینگر۔

بڈشاہ کا زمانہ جہاں کشمیریوں کی فارغ البالی کا زمانہ تھا، وہاں اس دور  
 کو خدائے لم یزل نے مشائخِ عظام، علماء کرام اور اولیاء کبار کی بیش بہا نعمتوں سے  
 بھی مالا مال کیا تھا۔ چنانچہ اس زمانے میں ایسے بزرگانِ دین اور صوفیاء کرام  
 وادی کشمیر میں جلوہ افروز ہوئے جن میں سے اکثر بلند پایہ عالم و فاضل ہونے  
 کے ساتھ ساتھ تصوف کے اسرار و رموز سے واقف اور روحانیت کے عظیم علمبردار  
 اور پیشوا تھے۔ ان میں حضرت شیخ الاسلام، مولانا کبیر، قاضی ملا جمال، حافظ بغدادی،  
 میر علی بخاری، علامہ سید شمس الدین اندرابی، سید حسین قمی رضوی، بابا حاجی  
 ادہم، حضرت سید محمد مدنی، سید محمد عالی بلخی، میر سید حسن، میر سید حسین منطقی،  
 سید ناصر الدین بیہقی، سید حسین بلادرومی وغیرہ کے اسمائے گرامی خاص طور پر  
 قابلِ ذکر ہیں۔ اس طرح اس دور میں نہ صرف باہر سے آتے ہوئے ساداتِ کرام  
 کی ایک خاصی تعداد اس وادیِ گلپوش میں محورِ تبلیغِ دین تھی بلکہ اُس وقت کشمیر میں  
 بعض ایسے اولیاء کرام کا فیضان بھی جاری تھا جن کو مادرِ کشمیر نے جنم دیا تھا  
 مثلاً شیخ نور الدین ولی، میر سید محمد امین اویسی، شیخ بہاؤ الدین گنج بخش،  
 بابا عثمان گنائی، بابا زین الدین ولی وغیرہ وغیرہ۔ آپ سب اولیائے کرام کے  
 فیوض و برکات سے یہاں کے بے شمار لوگ مستفید ہوئے۔ ان کے علاوہ اور  
 بھی کیاتے دہر علماء و اولیاء اس دور کی یادگار ہیں جن کا تفصیلی جائزہ موجب  
 طوالت ہوگا اور حق تو یہ ہے کہ ان سب کے تفصیلی حالات لکھنے کے لئے ایک  
 علیحدہ دفتر کی ضرورت ہے۔ لہذا ہم یہاں پر اس دور کے ایک برگزیدہ ولی کامل،  
 قطب الاقطاب حضرت شیخ بہاؤ الدین گنج بخش کے ہی حالات و کرامات پر تھوڑی  
 بہت روشنی ڈالیں گے۔

حضرت شیخ بہاؤ الدین گنج بخشؒ مادر زاد ولی تھے۔ مُصَنَّفِ تاریخِ کبیر



آپ کے بارے میں یوں رقمطراز ہے :

”قطب الحق و غوث المطلق، آفتاب سماء شریعت و طریقت“

ماہتاب سپہر حقیقت و معرفت، مدرس مدرسہ حق الیقین، محقق

رموز و اشارات عین الیقین، امام الطالبین، پیشوائے ارباب

یقین، کاشف الکشف و الکرامات، صاحب الولاية و العلیات

حضرت شیخ بہاؤ الدین سلسلہ کبرویہ کے برگزیدہ اور باکمال

ولی کامل تھے۔“

مصنف مذکور نے آپ کے نام کے ساتھ گنج بخش کا لقب پانے کی وجہ یوں بتائی ہے :

”و لقب ملقب شدن ایشان بگنج بخشی آنست کہ روزی

سلطان زین العابدین را در وقت خوشدلی بشارت فرمود کہ

ما شمار گنج ہائے فراوان دادیم و ترا پادشاہ وقت گردانیدیم۔

پس سلطان در سلطنت و حکومت چنان شد کہ بہ بدشاہ

معروف و مشہور گردید و گنجہائے فراوان فراہم آورد و

خرچ نمود۔

(ترجمہ) (ایک دن شیخ بہاؤ الدین، سلطان زین العابدین کی بات پر

نہایت خوش ہو گئے۔ نظر فیض اثر سے دیکھا اور فرمایا کہ

ہم نے تم کو اپنے وقت کا بادشاہ بنا دیا اور بے شمار خزانے

تم کو دیئے۔ اس کے بعد سلطان اپنی حکومت میں بدشاہ

کے نام سے معروف و مشہور ہوئے اور دولت کے بے شمار

لے تاریخ کبیر ص ۱۳۹

خزانے جمع کر کے خرچ کئے۔<sup>۱۷</sup>

کہتے ہیں کہ اس دن سے شیخ بہاؤ الدین ”بہاؤ الدین گنج بخش“ کے نام سے مشہور ہو گئے۔

شیخ بہاؤ الدین گنج بخش کی تاریخ پیدائش معلوم نہیں۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ آپ ابتدائی عمر میں عازم سفر ہوئے اور دور دراز ملکوں کی سیاحت کی چنانچہ ختلان پہنچ کر خواجہ اسحق ختلانی<sup>۱۸</sup> کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی صحبت میں سلوک و ریاضت کے منازل طے کر کے بے پناہ فیض و برکت سے مستفیض ہوئے۔

گنج بخش زمانہ از کشمیر  
چوں بختلان شدہ بخواہش پیر  
یافت آں گنج را بہ بخت بلند  
در زماں شد فقیر و دولت مند  
باز از آنجا مراجعت فرمود  
بہ گنج بخشی بہر کہ خواست نمود  
ہم بہ ملتان زمین زہم نامش  
گشت لبریز معرفت جامش

۱۷ مورخ حسن نے تذکرۃ اولیاء کشمیر ص ۱۸۸ میں لکھا ہے کہ شیخ بہاؤ الدین کی سلطان زین العابدین کو یہ بشارت سنانے کے کچھ ہی عرصہ بعد سلطان اپنے بھائی علی شاہ پر غالب ہو کر بادشاہ بنا اور بے شمار خزانے جمع کئے۔ اس لئے آنجناب کو ”گنج بخش“ کہنے لگے۔  
۱۸ شاہ اسحق ختلانی امیر کبیر میر سید علی ہمدانی کے ممتاز اور برگزیدہ خلیفہ ہیں۔ آپ ختلان میں ۳۵۰ھ میں تولد ہوئے۔ آپ ولایت کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوئے ہیں۔ (فتوحات کرویہ ص ۱۹۷)



ننگران سے آپ ملتان تشریف لے گئے اور حضرت مخدوم بہاؤ الدین ذکریاؒ  
ملتان کے روضہ مقدس پر حاضری دی۔ اس کے بعد مختصر وقت میں آپ اولیاء اللہ  
کے عظیم اور بلند ترین مقام و منصب پر فائز ہوئے پھر وہاں سے اپنے وطن کشمیر  
واپس لوٹے اور گوشہ گمنامی یعنی گنج انزوا میں اپنا مسکن سجایا۔

اس طرح شیخ دنیا کے لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہے۔ یہاں کے  
مورخوں اور تذکرہ نگاروں کے مطابق آپ ننگے پاؤں شہر میں گھومنا کرتے تھے اور  
ضبط نفس کی خاطر یہاں کی گلیوں اور کوچوں سے چاول کے دانے جمع کر کے دھو کر  
تناول کرتے تھے۔ کوئی فرد بشر اس راز سے واقف نہ تھا کہ آپ قطب عالم کے  
بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔ اس لحاظ سے آپ کا تعلق اولیاء کرام کی اس جماعت  
سے تھا جو مستوران حق کے نام سے موسوم ہے۔ حضرت بابا داؤد مشکوٰتیؒ  
نے اپنی تصنیف اسرار الابرار میں شیخ بہاؤ الدین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ  
”گمنامی میں جو راستہ میں نے ایک دن میں طے کیا وہ  
وہ شہرت کے ایک سال میں بھی طے نہیں کر سکتا تھا۔  
اس راستے سے اگرچہ سالک بہت نزدیک پہنچ جاتا ہے  
مگر منزل سے بہت دور دکھائی دیتا ہے۔“

کشمیر میں گنائی خاندان علم و ادب میں ایک ممتاز و متعارف خاندان  
تھا۔ بابا عثمان اوچپ گنائی اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ بابا داؤد  
مشکوٰتی نے اپنی تصنیف ”اسرار الابرار“ میں بابا عثمان اوچپ گنائی کا  
شیخ بہاؤ الدین گنج بخش کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان کا مرید بننے

۱۶ واقعات کشمیر ص ۵۲ - تذکرہ اولیائے کشمیر ص ۱۸۸ - تاریخ گبیر ص ۱۳۹

۲۰ ریاض الاخیار ترجمہ اسرار الابرار ص ۱۷۵۔

کا واقعہ یوں نقل کیا ہے۔

”کہتے ہیں کہ شیخ ایک مدت تک گمنامی کے پردے میں پوشیدہ تھے اور پھر اس قطب کے ظاہر ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ جب مخدوم عثمان بابا اوچپ گنائی کو طلبِ مرشد پیدا ہوا اس نے حرمین شریفین کی زیارت کا قصد کیا۔ بہت سے خدا شناس بزرگوں سے صحبت کی تاکہ کسی کامل ولی اور ہادی سے رہنمائی حاصل کرے جو اسے اپنی ولایت سے واصل بحق کرے اور غیر اللہ کے تعلق سے آزاد کر دے۔ . . . .

پس جب حرمین کی زیارت کو گئے، ان کی طلب اور بڑھ گئی اور سمندر کی طرح اپنے مُرشد کی تلاش میں بے چین ہو گئے۔ اچانک ایک ابدال کے پاس پہنچے جب اپنی طلب کے نور سے اس کو پہچان لیا تو اُسی کا مُرید بننا چاہا۔ اُس کو اپنے نورِ ولایت سے اس بات کی خبر ہوئی تو اُس نے بتا دیا ”تمہارا پیر تمہارے شہر میں ہے اور وہ قطبِ زماں ہے۔ کبھی کبھی میری صحبت میں بھی آتا ہے۔ اس سے ملو تاکہ وہ تمہارا رہنما بنے۔“ اس نے کہا کہ مجھے اس کا نام و نشان

---

۱۔ بعض مصنفین نے اس ابدال کا نام شیخ اسحاق شطاری ظاہر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو وجیز التواریخ ص ۱۲۔  
واقعات کشمیر ص ۵۲



معلوم نہیں ہے، اس کو کہاں پاؤں۔

پھر اس کا نام و نشان بھی بتا دیا اور کہا کہ اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ جامع مسجد میں جمعہ کے دن سب سے پہلے آتا ہے اور سب کے پیچھے جاتا ہے۔ کوئی اس کو نہیں جانتا اور وہ بھی کسی سے نہیں ملتا اور کسی چیز کی رغبت بھی نہیں رکھتا۔ اگر کوئی اس کے پیچھے چلے، وہ بہت غصہ کرتا ہے، پتھر وغیرہ مارتا ہے اور سخت ہو جاتا ہے۔ اگر حج کے دنوں تک یہاں صبر کرو گے میں تمہیں دکھاؤں گا۔ ان دنوں وہ عرفات میں نظر آتا ہے۔ اگر اس کو پاؤ گے تو ہرگز نہ چھوڑنا۔

لے مصنف سید علی اپنی تاریخ کشمیر میں یوں رقمطراز ہے۔ جب حضرت بابا عثمان گناتی حرمین شریفین کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تھے، وہاں انہوں نے چاہا کہ وہ قاضی ابوالاسحاق رومی قدس سرہ کا مرید ہو جائے۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ کہاں سے آتے ہیں۔ بابا عثمان نے کہا کہ میں کشمیر سے آیا ہوں۔ حضرت قاضی ابوالاسحاق نے فرمایا کہ کشمیر سے ہر جمعہ کے دن نماز ادا کرنے کی غرض سے ایک عزیز آتا ہے۔ یہ سن کر بابا عثمان جمعہ کے دن حرم مکہ معظمہ میں داخل ہوا۔ اس وقت حضرت شیخ بہاؤ الدین وہاں بیٹھے ہوئے تھے اور انہوں نے اپنے سر پر چادر ڈالی ہوئی تھی۔ جب لوگوں نے نماز جمعہ ادا کی اور سب حرم سے باہر نکل آئے تو وہاں شیخ تنہا رہ گئے۔ بابا عثمان نے شیخ کو پہچان لیا اور ان کے سامنے آیا اور چاہا کہ ان کے دست مبارک کو بوسہ دے۔ اسی دوران شیخ غائب ہوا۔ بعد میں بابا عثمان نے قاضی ابوالاسحاق سے کشمیر لوٹنے کی اجازت لیا۔ اس وقت سید حسن بلا درجی بھی اس مجلس میں (تقریباً اگلے صفحہ پر)

جب بابا عثمان کشمیر پہنچا، وقت کا خیال رکھ کر مسجد میں داخل  
ہوا اور انتظار میں بیٹھ گیا، جب تک اپنا مطلب پایا۔ اگرچہ  
اس (شیخ بہاؤ الدین) نے سختی بھی کی، مگر وہ اس سے  
جدا نہ ہوا اور شوق کا پردہ نہ پھاڑا، بلکہ ثابت قدم رہا۔

اس طرح بابا عثمان گناہی اگرچہ اپنے مُرشد کو پانے میں کامیاب ہوئے  
لیکن ساتھ ہی ان کی یہ ملاقات ان کے مُرشد بزرگوار کی تشہیر کا باعث بھی بنی۔  
تذکرہ نگاروں نے شیخ کی تشہیر سے متعلق ایک اور واقعہ بھی درج کیا ہے  
کہتے ہیں کہ ایک نانوائی اُن کی بڑی خدمت کرنا تھا۔ اس کا ایک بیٹا تھا جو  
اچانک ایک دن فوت ہوا۔ بہت روئے پیٹنے کے بعد بیٹے کو شیخ کے پاؤں پر ڈال  
دیا تاکہ اس کے حق میں دعا کر کے اسے زندہ کر لیں۔ شیخ نے جتنا انہیں بٹایا  
اتنا زیادہ وہ اضطراب اور اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شیخ پر بھی رقت طاری  
ہو گئی۔ وہ رو پڑے اور دُعا مانگی۔ لڑکا پھر زندہ ہو گیا۔

زندہ شد مُردہ زندگانی یافت  
زاں نظر عمر جاودانی یافت  
ایں سخن فاش گشت در ہمہ شہر  
شیخ شد در کمال شہرہ شہرہ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) موجود تھے۔ اس نے بھی حضرت قاضی سے اس لئے رخصت  
چاہی تاکہ وہ بھی کشمیر جا کر شیخ بہاؤ الدین کو دیکھے۔ انہوں نے ان کو اجازت دی  
اور وہ بھی بابا عثمان کے ہمراہ کشمیر آکر حضرت شیخ سے ملاقات کرنے کے بعد آنجناب  
کی صحبت میں سلوک کی تعلیم سے بہرہ ور ہوئے۔ (تاریخ سید علی فولیو ص ۲۴ ب)

لے ریاض الاخیار ترجمہ اسرار الابرار ص ۱۴۳ - ۱۴۴۔ ۲ تاریخ گبر ص ۳۹



اور ایک عرصے تک زندہ رہا۔ اسی وجہ سے انہیں کشمیر میں شہرت حاصل ہوئی۔  
پھر لوگ ان کے پاس آنے لگے لیکن وہ شہرت سے دور بھاگتے رہے اور اپنے آپ  
کو دیوانگی میں ڈال دیا۔ غرض یہ کہ حضرت شیخ لوگوں سے جس قدر دور رہے  
اسی قدر ان کی شہرت میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔

کہتے ہیں کہ حضرت شیخ نے زمینہ کدل پل کے نیچے بانس کی ایک جھونپڑی  
بنائی تھی۔ اس میں آپ ریاضت و مجاہدے میں مصروف رہ کر وقت گزارتے  
تھے۔ ایک دن سلطان زین العابدین آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا اور عرض  
کی کہ آنجناب میری کشتی میں اتر کر تھوڑی دیر کے لئے دریا کی سیر سے دل بہلائیے  
لیکن آپ نے سلطان کی بات نہ مانی۔ جب بادشاہ بہت اصرار کرنے لگا  
تو آنجناب نے اپنا مصلے (جائے نماز) پانی پر ڈال دیا اور خود اس پر بیٹھ گئے  
اور چل پڑے۔ مصلے دریا سے جہلم پر اس تیزی سے چل پڑا کہ بادشاہ کے  
ملاح بسیار کوشش کے باوجود بادشاہ کی کشتی کو آپ کی جائے نماز کے برابر  
نہ چلا سکے۔ آخر کار بادشاہ عاجز ہوا اور واپس لوٹا۔

شاہبازِ اوجِ وحدت بود شاہ گنج بخش  
کار سازِ اہلِ عصمت بود شاہ گنج بخش  
سالکاں راہ دیں را دہ چہ عالی رہبری  
آفتابِ بُرجِ عزت بود شاہ گنج بخش

۱۵ فتحاتِ کبرویہ ورق ۲۸۶ الف - تاریخ کبیر ص ۱۳۹ - ریاض  
الاخیار ص ۱۷۷ -

۱۶ فتحاتِ کبرویہ ورق ۲۸۶ الف و ب - وجیز التواریخ ص ۱۳ -  
تذکرہ اولیائے کشمیر ص ۱۸۸ - ریاض الاخیار ص ۱۷۷ -

طالبانِ ایزدی راہست چوں اور ہما  
 بلکہ تازہ دست ہمت بود شاہ گنج بخش  
 عارفان خاص حق نور چشم و آبرو  
 مقتدائے اہل خلوت بود شاہ گنج بخش  
 کرد مسکین و صفایاں از نیاز و عجز دل  
 مہر بُرج فقر و قربت بود شاہ گنج بخش

کشمیر کے اولیاء اللہ میں حضرت شیخ بہار الدین گنج بخش کے بلند مرتبہ کا ذکر کرتے ہوئے یہاں کے بعض مصنفین نے لکھا ہے کہ "مقاماتِ اولیاء" میں بابا حاجی فرماتے ہیں کہ کشمیر میں کامل ترین ولی اللہ حضرت شیخ بہار الدین ہیں۔ ان کے بعد سلطان کشمیر (جو سوادکنہ کے سلاطین کی اولاد میں سے ہیں)۔ ان کے بعد حضرت شیخ نور الدین ولی علیہم الرحمۃ والرضوان ہیں۔ حضرت بابا ادہم مزید لکھتے ہیں۔ "اگرچہ میں نے ان تینوں کو دیکھا ہے مگر شیخ نور الدین ریشی کی زبانِ مبارک سے یہ سنا ہے کہ شیخ بہار الدین مرتبہ ولایت میں مجھ سے آگے ہیں۔ ان کے فیض سے کشمیر میں بے شمار لوگ مستفید ہوئے۔ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ بہار الدین گنج بخش تیس سال تین ماہ اور چھ دن قطب الاقطاب کے بلند ترین منصب پر فائز رہے ہیں۔ بابا حاجی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ لے تاریخ کبیر از محی الدین مسکین ص ۱۳۹

لے مقاماتِ اولیاء بابا حاجی ادہم کی تصنیف ہے۔ جو اس وقت دستیاب نہیں ہے۔

۳ واضح رہے کہ کشمیر میں شہبیر، خاندان کا بانی راہب سہرلو کے زمانے میں سوادکنہ سے ہی آکر دار کشمیر ہوا تھا۔



شیخ الشیوخ بہار الحق والدین گنج بخش کی خدمت عالیہ میں تھے تو دیکھا کہ  
آنجناب ملکوت و جبروت میں اس بلند ترین مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں دیگر  
مشائخ عصر کی رسائی ممکن نہیں ہے

بہار الدین کہ معدن اولیاست  
بہار الدین کشمیر مرد خداست  
تو اے جام بشنو کرامات او  
بجو فیض صحبت ز حالات او  
کہ شیخے است عالی معالی نثراد  
دریں دہر آں مرد فرداست و راد  
خدا یا مُشرف بدیدار وے  
بسا زم مرا تا شوم یار وے  
دریں وقت مردی مبارک نیم  
بجز وے کسی نیست بحر کرم

حضرت شیخ روشن ضمیر اور با کمال ولی کامل تھے۔ آپ کی کرامات  
اور کمالات بسیار ہیں اور جذب و سلوک کی حکایات بھی بے شمار ہیں۔ اس  
خطے کے تمام اولیاء کرام آپ کے دربار میں نہایت انکساری اور عاجزی کے  
لہ تاریخ سید علی ورق ۱۵ ب ۱۶ الف - فتحات کبرویہ

ورق ۲۸۵ الف و ب

۲۵ یہ اشعار شیخ احمد جام چرم پوش ہندی قدس سرہ کے ہیں اور ان کو  
صاحب فتحات نے اپنی تصنیف میں درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو فتحات کبرویہ

ساتھ حاضر ہوتے تھے اور آپ کے دروازے پر جھک کر سلام پیش کرتے تھے  
 آپ دنیا کے تمام اولیاء کرام کے پیشوا اور قطب الاقطاب تھے۔

اللہ اللہ ز خطہ کشمیر

آنچہ صاحب دے است پاک ضمیر

صاحبان کمال کہ فر دند

بر درش رفتہ پشتِ خم کردند

اولیا ہائے این دیار ہم

رفتہ پیشش بہ انکسار ہم

اوست سرخیل اولیائے جہاں

قطب الاقطاب مقتدائے جہاں

حضرت شیخ طریقت کے ساتھ ساتھ شریعت کے بھی اچھے پاسدار

تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن آنجناب اپنے عبادت خانہ میں تشریف فرما تھے

کہ ایک مُطرب (گوئیّا) آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ میں

دور سے ایک بے نوا فقیر آپ کے دربار میں اس امید کے ساتھ آیا ہوں کہ

آپ مجھے بانوا بنادیں گے۔ آپ نے اس سے فرمایا "کیا تمہارے پاس کوئی چیز

ہے؟" مطرب نے جواب دیا: "جناب میرے پاس ایک نے (بانسری) ہے۔"

آپ نے فرمایا کہ لاؤ میں اسے تمہارے دل کے موافق بنادوں اور مطرب نے

چاہا کہ آنجناب نے میں نوا ڈالیں۔ لیکن اس کے برعکس آنجناب نے اسے

تنبیہ کی کہ اس نے سے تم کون سی نوا (سامانِ آخرت) حاصل کر سکتے ہو۔

اس کے بدلے تم اپنے دل کی نے سے اپنے وقت کو بُرا بنادو اور پھر اسی

لے تاریخِ کبیر ص ۱۳۹۔



نے سے زمزمہ سے پُر آواز کو نکال - اس نے کہا کہ یہ زمزمہ تو دل والوں کے پاس ہوتا ہے - ایک مُطرب اس کلام کو سمجھنے سے قاصر ہے - نعرہ مارا اور زمین پر گر پڑا - جب ہوش میں آیا، اپنے آپ کو عبادت خانہ کے باہر پایا - اسے تعجب ہوا اور آنجناب سے اس سارے معاملے کے بارے میں استفسار کیا - فرمایا کہ جب تم میرے عبادت خانہ میں نے لیکر حاضر ہوا تھا اور چاہتا تھا کہ میں وہ نے بجاؤں - لیکن چونکہ شریعت کے لحاظ سے عبادت خانوں میں بانسری کی آواز اور بانسری کا بجانا سراسر نازیبا اور ناجائز ہے لہذا باطنی طور پر تمہاری حالت تبدیل کی گئی - مُطرب وہیں پر خاموشی سے بیٹھا رہا اور رات میں عالم غیب سے بانسری کی جیسی آواز پیدا ہوئی اور اس کے (مُطرب کے) کانوں میں جب یہ آواز پڑی تو اس کی حلاوت اور مٹھاس سے وہ بے خود اور مست ہو گیا - جب ہوش آیا تو اس غیبی آواز کے سرود اور ذوق و شوق میں محو تھا - اپنی نے کو اٹھا کر جلتی ہوئی آگ میں ڈال دیا اور اپنے دل کی نے کو کام میں لایا - اس طرح حضرت شیخ کی عنایات کی بدولت اس مُطرب نے نہ صرف یہ کہ دنیا سے ترک تعلق کر کے اللہ تعالیٰ سے کو لگائی بلکہ اس کے بعد صاحبِ حال اور اہل کمال لوگوں میں اس کا شمار ہونے لگا۔

مصنف تاریخِ کبیر نے حضرت شیخ بہاؤ الدین کی ایک اور کرامت کا تذکرہ شیریں اور سلیس فارسی نظم میں کیا ہے - جس کا خلاصہ یوں ہے کہ ایک دن حضرت شیخ کے دوستوں میں سے ایک ابو عثمان نے ایک عورت کو بہت ہی آہ و زاری اور نالہ و فریاد کرتے ہوئے دیکھا - جب انہوں نے اس عورت سے اس کے زار و قطار رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب

دیا کہ اس کا خوبصورت نوجوان بیٹا دس سال سے لاپتہ ہے۔

اے دریغا مدتِ دہ سال شد

کز فراق او مرا غریب شد

چون نہ نالم چوں نگریم چوں کنم

وقت شد کہ ناله بر گردوں کنم

می ندانم تا چه پیشش آمدہ

گرگ خوردش یا مگر شیرش زدہ

یا مگر او را کسی از راہ برد

دور تر زیں شہر و منزل گاہ برد

در ہمہ عمرم بجز آں یک پسر

حق نہ دادہ بود کرد از من گذر

طاقت من طاق شد از اشتیاق

الفراق این نور چشم الفراق

اس پر ابو عثمان نے اس عورت کو حضرت شیخ کا دامن پکڑنے

کی صلاح دی ہے

دست در دامنِ این دیوانہ زن

گو بمن بسپار آں فرزند من

ابو عثمان نے یہ بھی کہہ دیا کہ حضرت شیخ اگر تم کو ڈانٹ ڈپٹ

پلائے تب بھی ان کا دامن نہیں چھوڑنا۔ اس مصیبت زدہ عورت نے

بھی آنجناب کی ڈانٹ ڈپٹ نہایت عاجزی و انکساری کے ساتھ برداشت

کی اور آہ و زاری کرتی رہی یہاں تک کہ قطب عالم (حضرت شیخ بہار الدین)



کو اس غورت پر رحم آیا۔ آپ نے آسمان کی طرف نگاہ کی اور اپنا دامن پھیلا یا۔ اچانک ایک خوبصورت نوجوان نمودار ہوا اور قطبِ عالم کے قدموں پر گر پڑا۔ اس کے ایک ہاتھ میں سونے کا ایک سکہ اور دوسرے ہاتھ میں لوٹا تھا۔ اس کی ماں فوراً اپنے بیٹے سے لپٹ گئی اور اسے بوسہ دینے کے بعد اس کے گم ہونے کی وجہ پوچھی۔ بیٹے نے کہا۔ ”مجھے یہاں سے کوئی ڈاکو کسی اجنبی شہر میں لے گیا۔ پھر اس نے مجھے دوسرے آدمی کو بیچا۔ وہ آدمی بہت کمینہ تھا۔ اس کو مجھ پر کبھی رحم نہیں آتا تھا۔ آج اس نے مجھے بازار سے تیل لانے کیلئے ایک لوٹا اور سونے کے کچھ پیسے دیئے وہ لوٹا لے کر میں بازار میں دکاندار کے پاس تیل لینے کیلئے کھڑا تھا کہ اچانک پیچھے سے کسی نے مجھے پکڑ کر اٹھا لایا اور یہاں پہنچا دیا۔ میں خود اس واقعہ سے حیران ہوں۔“

ناگہاں دستی بدیدم از عقب

کہ مرا آور دیشیت اے محب

حال من ایں است و حیرانم ازین

من کجا و تو کجا ایں است ایں

”رسالہ گلہ دستہ گنج بخش“ میں آپ کی چند اور کرامات یوں درج

ہوتی ہیں۔

”ایک بادشاہ چین نے بادشاہ سے خراج طلب

کیا۔ اس میں کشمیری خواتین بھی شامل تھیں۔ بادشاہ

اپنی بیگم کے ساتھ قطب عالم کے حضور حاضر ہوا۔ آپ

”رسالہ گلہ دستہ گنج بخش حصہ ۲“ از محمد خلیل قریشی، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

نے شاہ چین کو رات کے وقت بارہ بجے معاہدے کی تخت کے  
حاضر کیا اور وہ حکم منسوخ کرایا۔

”سید محمد مدنی کا جب آخری وقت آیا تو فرمایا۔

”ہمیں اپنا دوست غسل دیگا۔“ لوگ منتظر تھے۔ حضرت  
قطب عالم تشریف لائے۔ سب کو باہر جانے کا حکم دیا۔  
حضرت مدنی سے فرمایا۔ ”اے میرے دوست مجھے دل بھر  
بچوں نے پتھر مار مار کر لہو لہا ہاں کر دیا ہے۔ میرے بدن  
میں کافی ضعف ہے۔ اس لئے خود ہی کروٹ بدل لو۔  
میں پانی ڈالتا جاؤنگا۔“

”ایک غریب صاحبِ دختر نے فریاد کی۔ مجھے کچھ  
ساز و سامان عنایت کیجئے۔ فرمایا یہ پتھر لے لو۔ وہ لے گیا۔  
اور گھر میں رکھ دیا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک جوہر شناس  
کا اُدھر سے گزر ہوا۔ پتھر خریدا اور اس میں سے قیمتی  
لعل نکالا۔“

مختصر یہ کہ شیخ کی کرامات اور کمالات کا کوئی کہاں تک بیان  
کرے۔ بقول مصنف تاریخ کبیر:

”حالات و مقامات حضرت شیخ بیروں از حد حصار  
وار بیان افزوں است۔“

کشمیر کی فارسی تاریخوں اور تذکروں میں شیخ کی شہادت کے سلسلے

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) شائع کنندہ عبدالرشید خان تاریخ ۴ رجب ۱۲۷۷ھ

۱۲۷۷ھ تاریخ کبیر ص ۱۴۱۔ واقعات کشمیر ص ۵۳۔



میں یہ واقعہ درج ہوا ہے کہ ایک دن آنجناب شہر سے باہر آکر حسبِ عادت سیر صحرا کے لئے علاقہ پائیں موضع کرشہ بل تشریف لے گئے اور وہاں پر ایک درخت کے نیچے مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ نصف شب کے قریب چوروں کی ایک جماعت مال و متاع لے کر اس طرف آئی اور چوری کا یہ مال آپس میں تقسیم کرنے لگے۔ مال آپس میں بانٹنے کے بعد ان کی نظر آپ پر پڑی۔ ان کم بختوں نے اس خوف سے کہ یہ شخص ضرور سہارا زافاش کر دے گا آپ کو شہید کر دیا۔

شہادت برو تافت در نصف شب  
بروزِ سہ شنبہ چہارم رجب

اس طرح آپ اپنے مرشد بزرگوار کی طرح شہادت کے اعلیٰ منصب پر بھی فائز ہوئے۔ شیخ نے ماہِ رجب کی چوتھی تاریخ منگل کے دن مطابق ۸۴۳ھ میں شہادت پائی۔

ہشت صد و چہل و سہ بود از سال  
کز شہادت کشیدہ جام وصال

از رجب چہارم و سہ شنبہ بود  
کہ او چو گنجے بخواب گاہِ آسود

لے ملاحظہ ہو تاریخ کبیر ص ۱۴۲۔ فتحاتِ کبرویہ فولیو ۲۸۶ ب۔ تاریخ سید علی فولیو ۱۵ الف۔ وجیز التواریخ ص ۱۳ وغیرہ۔ تاریخ کبیر ص ۱۴۲۔ ۳۵ فتحاتِ کبرویہ فولیو ۲۴۷۔ تاریخ کبیر ص ۱۴۲۔ مصنف وجیز التواریخ نے یہ تاریخ ۸۴۹ھ (ص ۱۴) پر درج کی ہے۔

۳۵ تاریخ کبیر ص ۱۴۲

کہتے ہیں کہ یہ واقعہ سلطان زین العابدین نے خواب میں دیکھا اور وہ باطنی طور پر اس واقعہ سے مطلع ہوئے۔ نیند سے بیدار ہوئے اور نکلنے کا ارادہ کیا۔ لیکن سید محمد کاندہ ہامی کی دختر جو سلطان کے نکاح میں تھی نے سلطان کو جانے کی اجازت نہ دی۔ سلطان عاجز ہوا اور اپنی بیگم کو شیخ کی شہادت سے آگاہ کیا۔ اس پر بیگم نے سلطان سے عرض کی کہ وہ انہیں اس صورت میں نکلنے کی اجازت دے سکتی ہے کہ شیخ کو ان کے مزار (دور مرہ موجودہ محلہ بہاء الدین صاحب) میں دفن کیا جائے۔ سلطان نے بیگم کی بات تسلیم کی اس لئے وعدہ خلافی نہیں کر سکتا تھا۔ صبح کے وقت شیخ کی تجہیز و تکفین کے بعد بابا عثمان گناہی اور سید حسن بلا درومی نے بتایا کہ شیخ نے انہیں وصیت کی ہے کہ انہیں مرنے کے بعد پاؤں میں رسی ڈال کر مقبرے تک لے کر لیجا جائے۔ یہ بات سلطان کے کانوں میں بھی پڑی۔ سلطان ارکانِ حکومت کے ساتھ حیران تھے کہ اس مسئلہ کو کیسے حل کریں۔ یہاں تک کہ سلطان کا وزیر ملک احمد ایتو سلطان کی خدمت میں یہ تجویز لے کر حاضر ہوا کہ ایک گہوارہ بنا کر

لے تاریخ سید علی فولیو ۱۵ الف۔

۲۱ فتحات کبریہ اور تاریخ کبیر میں اس کا نام بی بی خاتون درج ہوا ہے۔  
 سہ بابا داؤد مشکوٰتی نے اپنی تصنیف اسرار الابرار میں شیخ کے مزار کے بارے میں لکھا ہے کہ اس مقبرے کو بی بی بوہ ماجی نے بنایا تھا جو کشمیر کے ایک بادشاہ کی بیٹی تھی۔ مؤلف وجیز التواریخ نے بھی اسی سے اتفاق کیا ہے۔ فتحات کبریہ کے مؤلف کے مطابق سلطان کی بیگم نے درۂ مرید دور مرہ میں اپنے لئے مقبرہ بنوایا تھا۔  
 فولیو ۲۸ الف - محمد الدین فوق نے شباب کشمیر (ص ۲۷) میں لکھا ہے کہ یہ مزار بڈشاہ کی بیگم نے جو اولد تھی اپنا زیور فروخت کر کے تعمیر و مرمت کرایا تھا۔  
 ۲۲ فتحات کبریہ فولیو ۲۸ الف - تاریخ سید علی فولیو ۱۵ ب۔



لایا جائے۔ اس پر تابوت رکھیں اور رسی باندھ کھینچتے کھینچتے لے جائیں گے۔  
 اس بات سے سلطان اور دیگر ارکان نے اتفاق کیا اور اسی طریقہ پر عمل پیرا  
 ہو کر شیخ کے جنازے کو کھینچتے کھینچتے مقبرہ تک پہنچایا گیا۔ بقول مؤرخ سید علی  
 آپ کے تابوت کو کھینچنے والوں نے یہ چاہا تھا کہ آپ کی نعش مبارک کو قبرستان  
 کے اوپر لے جائیں اور وہاں ہی دفن کریں۔ ایسا کرنے کیلئے اگرچہ انہوں نے اپنی  
 پوری طاقت آزمائی۔ لیکن وہ ایسا کرنے سے قاصر رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ  
 سب آسودہ گاہ کے نیچے کی طرف آسودہ ہیں۔ یہ واقعہ بھی آپ کے کمالات  
 میں سے ہے۔ شیخ کو جنوب کی طرف سید سلیمان قطب دوران علیہ الرحمۃ  
 والرضوان کی قبر کے متصل ہی دفن کیا گیا اور اس مقبرے میں سلطان زین العابدین  
 کی بیگم کی قبر دروازے کے ساتھ ہی ہے۔ شیخ کے بعد اس مزارِ متبرکہ میں دیگر  
 اولیائے کبار، مشائخ عظام اور ساداتِ کرام کی ایک خاصی تعداد دفن ہوئی۔  
 جس کی وجہ سے اس مرقدِ عالیہ کا نام بقیع ثانی (دوسرا مزارِ بقیع) پڑا۔ شیخ کے  
 فیوض و برکات ابھی تک ان کے مقبرے سے نمایاں ہیں۔ ان کا مزارِ رفیع  
 آج بھی مزارِ بقیع انوار و گلزارِ مقابرِ ساداتِ کبار اور مشائخِ ابرار بدستور  
 لوگوں کا باعث دیدار ہے۔

گنج بخشی کمرین انعام تو	گنج بخشی تام شد بر نام تو
خط کشیدہ بر سر فرزانی	ہمچو ذوالنون در فن و دیوانگی
محو و مستغرق بدریائے شہود	شیخ دیں یعنی بہار الدین کہ بود

(تاریخ کبیر ص ۱۴۵)

۱۴ تاریخ کبیر ص ۱۴۲ - تاریخ سید علی فولیو ۱۵ ب - فتحات کبرویہ فولیو ۲۸۷ -

۱۴ تاریخ کبیر ص ۱۴۳

## خواجہ معین الدین نقشبندیؒ

سلسلہ سہروردیہ اور سلسلہ کبرویہ کے علاوہ دو اور سلاسل جو اسلام کے ورود کے بعد وادی کشمیر میں اسلام کی تبلیغ کے لئے آئے سلسلہ نقشبندیہ اور سلسلہ قادریہ تھے۔ سلسلہ نقشبندیہ صوفی سلسلہ کا ایک قدیم سلسلہ ہے جسے ترکوں کی سرزمین میں اسمیل دریا سے پرے شروع کیا گیا اور اس سلسلہ کو حضرت خواجہ بہاؤ الدین محمد نقشبند مشکل کشاؒ نے مقبول بنادیا۔ کشمیر میں اس سلسلے کی بنیاد حضرت سید ہلال نے ڈالی جو یہاں سلطان سکندر کے عہد حکومت (۱۳۸۹-۱۴۱۳ء) میں تشریف لاتے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ہلال حضرت خواجہ بزرگ کے خلیفہ تھے۔ انہم کے مقام پر تنہا زندگی گذار کر ۱۴ ربیع الاول ۸۸۵ھ کو انتقال کر گئے۔ وہیں آپ کا مرقہ ہے۔ سید ہلال نے اپنے پیچھے صرف ایک خلیفہ حضرت میر سید محمد امین اویسی منطقیؒ جسے عرف عام میں ووسی صاحب کے نام سے جانا جاتا ہے،

کشمیر یونیورسٹی۔ سرینگر



کو چھوڑا۔ آپ سید حسین بیہقی کے دوسرے فرزند ارجمند تھے اور حاجی ابراہیم ادہم کے شاگرد عزیز تھے۔ حضرت دوسی صاحب کو بیہقی بیگم جو سلطان زین العابدین کی ملکہ تھی، نے اپنا بیٹا بیٹا بنا دیا تھا۔ حضرت سید امین اویسی چونکہ شاہی خاندان سے وابستہ ہوئے تھے اسلئے سلسلہ نقشبندیہ کو اس شد و مد کے ساتھ پھیلانے میں کامیاب نہ رہے جتنا کہ وہ ایک خالص صوفی بزرگ کی حیثیت سے کر سکتے بلکہ سیاسی سازشوں کا شکار ہوتے رہے۔ آپ نے سلسلہ نقشبندیہ کو اپنے پیروؤں کے سپرد کر دیا تھا۔ اس طرح آپ کے وصال کے بعد سلسلہ نقشبندیہ ایک سو سال سے زیادہ عرصہ تک عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہا۔ جبکہ اسے منظر عام پر لانے، اس کی افادیت کو عام لوگوں تک پہنچانے اور اس سلسلہ کے ذریعہ اسلامی تعلیمات اور تصوف کے آثار و چٹھیاؤں بیان کرنے میں حضرت خواجہ خاوند محمود نقشبندی عطاری جو شہنشاہ جہانگیر کے دور حکومت میں وادی مینو نظیر میں تشریف لائے، کا ہاتھ رہا اور سلسلہ نقشبندیہ کو از سر نو جاری کیا۔

حضرت خواجہ خاوند محمود نقشبندی اکابر سادات بخارا سے تھے۔ والد بزرگوار کا نام میر سید شریف تھا جن کا سلسلہ نسب پنج واسطوں سے حضرت قطب الاحرار خواجہ سید علاؤ الدین عطاری خوارزمی سے ملتا ہے جو قطب الاقطاب خواجہ بہاؤ الدین نقشبند مشکل کشا کے داماد تھے۔ حضرت خواجہ خاوند محمود کو تارخیوں میں بالعموم حضرت ایشاں کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ کشمیر میں آپ چار بار آئے اور مائسمہ کے شیعہ سُنی فسادات میں ایک فرقہ کی طرفداری کرنے اور دوسرے فرقہ کے خلاف معرکہ آرائی کرنے کے الزام میں شہنشاہ شہاب الدین شاہجہاں نے ظفر خان گورنر کشمیر کے کہنے پر لاہور میں رہنے کا حکم صادر کیا۔ آپ کے چھ فرزند ارجمند تھے۔ سب سے بڑے فرزند

کا نام خواجہ خاوند احمد تھا جو آپ کے انتقال کے بعد آپ کے جانشین ہوئے سب سے مشہور و معروف، عامل و سالک، عالم و فاضل اور بہترین مبلغ اور محدث عصر آپ کے چوتھے فرزند حضرت خواجہ معین نقشبندی تھے۔ آپ نے اپنی ذمہ داری، قابلیت اور علم کے بل بوتے پر طریقہ نقشبندیہ کو چار چاند لگا دیئے آپ نے فقہ اسلامیہ پر کئی کتابیں لکھیں اور اپنے اسلاف کے تاریخی واقعات کو کتابی صورت میں پیش کیا۔ طریقہ نقشبندیہ میں صحیح معنوں میں ایک تازہ روح ڈال کر اس کے لوازمات اور خصوصیات کو واضح کیا۔

غرض آپ ظاہری اور باطنی علوم میں یکساں زمانہ تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم خواجہ خاوند محمود سے پائی۔ سلوک کے مرحلے طے کئے اور فقہ حدیث اور تصوف میں والد صاحب کے علاوہ دیگر بزرگانِ وقت سے تعلیم پائی۔ جس وقت آپ کے والد بزرگوار کشمیر میں موحی تبلیغ تھے آپ ہندوستان چلے گئے جہاں ظاہری و باطنی اسلامی تعلیمات سے فیضیاب ہونے کے لئے آپ کو محدث دہلوی شیخ عبدالحق کی درسگاہ میں گئے آپ طریقہ نقشبندیہ کے رموز و اسرار سے واقف ہوئے اور عرفان کا سرچشمہ بن کر نکل آئے۔

جب دورانِ حضرت خواجہ خاوند محمود کشمیر میں طریقہ نقشبندیہ کے عام کرنے کی اسلامی تعلیمات اور تصوف کے اسرار سے لوگوں کو باخبر کرنے میں مصروفِ عمل تھے، اس دوران حضرت خواجہ معین الدین نقشبندی اسلامی تعلیمات، قرآن و حدیث، فقہ، تاریخ اور تصوف کی اعلیٰ تعلیم سے فیضیاب ہوتے رہے اور حضرت عبدالحق محدث دہلوی جیسے مفکر، عالم، محدث اور طریقہ نقشبندیہ کے رہنما سے جامِ عرفان نوش کرنے کے علاوہ تفکر، تدبیر، توحید، اصول و وحدانیت، لوازمات



طریقت کے علاوہ مُسلم انتظامیہ سے آشنا ہوتے رہے۔

جب مائٹمہ سرینگر میں فساد است برپا ہوئے اور حضرت خواجہ خاوند محمود نے ایک فرقے کی رہنمائی کی اور — یا غیوں کے خلاف ایک بڑا جلوس نکالا جس کی قیادت خواجہ خاوند محمود نے کی۔ ہفت چنار کے مقام پر ظفر خان گورنر کشمیر نے اس جلوس کو روکا اور حضرت خواجہ خاوند محمود کی عزت افزائی کرنے کے بعد بہ منت واپس لانے پر آمادہ کیا اور مفسدوں کو اسی مقام پر سزا سنادی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ شاہجہاں کو اطلاع دے دی کہ ان کا اثر و رسوخ کشمیر میں اس قدر ہے کہ حکومت کو ان کے سامنے مجبوراً سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔

بادشاہ نے اس اطلاع پر مصلحتاً خواجہ خاوند محمود کو لاہور بلا دیا۔ جہاں وہ آخری دم تک رہے۔ آپ (خواجہ معین الدین نقشبندی) کو کشمیر میں رہنے کی اجازت دی گئی۔ آپ نے بڑی خوش اسلوبی سے اپنے والد بزرگوار خواجہ خاوند محمود کے تمام خلیفوں، شاگردوں، پیروکاروں اور معتقدوں سے برتاؤ کیا۔ آپ نے بڑے ہی احتیاط کے ساتھ اس وقت کے سیاسی حالات سے کنارہ کشی کی اور اپنے مشن کو آگے بڑھانے میں رات دن لگے رہے۔ اپنے والد بزرگوار کے حکم سے اپنے سلسلہ عالیہ کو رواج دینے اور خانقاہ کی آبادی (خانقاہ فیض پناہ — خواجہ بازار) اور لشکر اور جاگیر کے انتظام کو بڑی فراست اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

آپ نے حضرت محدث دہلوی خواجہ عبدالحق کے روحانی اور علمی فیوض سے کافی آشتنا کیا تھا اور اپنے والد بزرگوار کی مجاہدانہ اور عارفانہ زندگی سے تجربہ حاصل کر کے ایک قابل مبلغ کی حیثیت سے وادی کشمیر کے لوگوں کو طریقہ نقشبندیہ کی خصوصیات سے بہرہ ور کرنے اور انہیں صحیح معنوں میں اسلامی شریعت کے دائرے میں طریقت کے فیوض و برکات سے نوازا۔ آپ خود عالم تھے اور عالموں

فقیہوں اور علم شریعت کے محققوں کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ باطنی حسن کے ساتھ کمال کی ظاہری خوبصورتی رکھتے تھے۔ یوں کہیں کہ حسن صورت اور حسن سیرت والے بزرگ تھے۔ اپنے خلوص نیک برتاؤ اور خوش اخلاقی کے لئے دور دراز کے علاقوں میں بھی مشہور تھے۔ باکمال فقہار، کامل علما اور عامل بزرگ آپ کی خدمت میں ملاقات اور عرفان حاصل کرنے کی غرض سے آتے تھے۔

شہنشاہ ہند اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں آپ ایک برگزیدہ ہستی قرار دیے جاتے تھے۔ آپ کے پاس بڑے عالم، فاضل، حاکم، قاضی عدالت باریک نکتے اور دقیق مسئلے لیکر آتے تھے اور آپ اپنی عقلمندی اور علم کے بل بوتے ان تمام پیچیدہ مسائل کو حل کرتے۔ اس وقت کے بزرگ فاضل ملا محمد طاہر، ملا ابوالفتح کلو، ملا یوسف مدرس، ملا عبدالنبی اور شیخ احمد مفتی وغیرہ ہمیشہ انکی مجلس اور صحبت میں حاضر ہوتے تھے۔ ان ہی بزرگان دین اور علماء وقت کی معاونت سے فتاویٰ نقشبندی تالیف فرمائی۔ اس تصنیف کے علاوہ آپ نے اور بے شمار کتابیں تصنیف کیں۔ اپنے والد بزرگوار کے حالات میں "مراۃ طیبہ" رسالہ بھی تصنیف کیا۔ فارسی میں "کنز وسعادت" وغیرہ کتابیں لکھ کر ایک ادبی اور علمی کارنامہ انجام دیا۔ فتاویٰ نقشبندیہ کا قلمی نسخہ بانکی پور اور رامپور میں موجود ہے۔ اس کا حوالہ صاحب "عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ" صفحہ نمبر ۳۴ پر دیا گیا ہے۔ "رسالہ رضوانی" بھی ان کی تالیف ہے۔ البتہ یہ معلوم نہیں کہ وہ عربی میں ہے یا فارسی میں۔

حضرت خواجہ معین الدین نقشبندی کے وقت میں سیاسی گہما گہمی میں قدرے اعتدال آگیا تھا۔ اس طرح آپ کسی بھی مذہبی یا سیاسی رسد کشی میں ملوث



نہ ہوئے اور اپنے تبلیغی مشن کو آگے بڑھانے میں کامیاب رہے۔ کشمیر میں طریقہ نقشبندیہ نے جس قدر خواجہ معین الدین نقشبندی کے ہاتھوں فروغ پایا، اس قدر کسی اور بزرگ کے ذریعے اس طریقہ کی آبیاری یہاں نہ ہو سکی۔ مختصراً یوں کہیں کہ طریقہ نقشبندیہ ان کی اور ان کے والد بزرگوار کی ذات کی برکت سے اس ملک میں رواج پایا۔ آپ کی صحبت میں جتنے بھی رفیق، خلیفہ اور شاگرد رہے، مرشدی کے اعلیٰ رتبے کو پہنچے اور آپ کے بعد سلسلہ نقشبندیہ کو یہ بزرگ فروغ دینے میں کامیاب رہے۔

آپ کی پیرانہ شفقت سے نگر کے تمام ملازمین مطمئن تھے اور خانقاہ فیض پناہ کے تمام شاگرد اور منتظمین آپ کے خلوص اور برتاؤ سے متاثر تھے۔ آپ ان کی دیکھ بھال، نگرانی اور مہمانوں کی مہمان نوازی میں مہنت الی کردار ادا کرتے تھے۔

جب آپ کی عمر شریف سن ۷۰ برس سے تجاوز کر گئی تو ۸۵ھ کے ماہ محرم کی ۲۹ تاریخ کو انتقال کر گئے اور خانقاہ فیض پناہ، خواجہ بازار کے صحن میں راحت کی نیند سو گئے۔ آج کل اسی مقام پر ان کا مرقد ہے اور عقیدہ تمند اس مقام پر اگر ذکر وادکار میں شمولیت کے بعد فیوض و برکات سے مستفید ہو جاتے ہیں۔

ہر قمری مہینے کی تیسری تاریخ کو یہاں ختمات معظمت ہوتے ہیں اور عقیدہ تمند اپنے عقاید کا بھرپور مظاہرہ کر کے طریقہ نقشبندیہ کے تتیں اپنا خلوص پیش کرنے آتے ہیں۔

چونکہ ان کے بلند قدرتین فرزند پہلے ہی صغر سنی میں اس دار فانی سے رحلت کر گئے تھے اور چھوٹے بیٹوں میں سے کوئی سجادہ نشین اور خلافت کے قابل نہ تھا۔ اس لئے ان کی اہلیہ محترمہ نے (جو خواجہ عبدالرحیم دہ بیدی کی پاکدامن

بیٹی عالمگیر بادشاہ کی بہن کے بطن سے تھی) خالقہ کا بندوبست اور خانداری امور کا انتظام نہایت دماغ داری، حوصلگی اور محنت سے بجالا کر نزدیک اور دور کے لوگوں کا دل جیتا۔ خواجہ اعظم دیدہ مری — کے مطابق خیرات کرنے، خالقہ کے ملازمین کے ساتھ اچھے برتاؤ کیلئے آپ (بیگم خواجہ معین الدین نقشبندی) کشمیر میں صوفی تاریخ میں ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔

خواجہ معین الدین نقشبندی کے فرزند خواجہ شرف الدین نقشبندی کی اولاد سرینگر کے علاوہ مضافات کشمیر میں بھی اچھی تعداد میں موجود ہوئی ہے۔ خواجہ محمد اشرف کی اولاد میں سے خواجہ نظام الدین (خواجہ محمد اشرف کے بیٹے) کے فرزند ارجمند خواجہ نور الدین محمد آفتاب نقشبندی صاحب کشف و کرامات گذرے ہیں دوسرے فرزند خواجہ علاؤ الدین نقشبندی ایک باکمال مبلغ اور مجاہد اسلام گذرے ہیں۔ غرض حضرت خواجہ معین الدین نقشبندی کی اولاد اور خلفاء نے طریقہ نقشبندیہ کی قندیل سے مسلمانان کشمیر کو منور کیا۔ یہ سلسلہ طریقت آج بھی قائم و دائم ہے۔





## میر بابا حیدر تیلہ مولیٰ

• قارئین کرام! شاد صاحب نے "حضرت شیخ بابا ہری ریشی" عنوان سے ایک مضمون پانچ چھ سال پہلے کلچرل اکیڈمی کے "ہمارا ادب" (اولیاء نمبر ۲) میں شائع کرایا ہے۔ بندہ احقر کو یہ رسالہ چار پانچ مہینے قبل اپنے ایک عزیز نے پڑھنے کے لئے پیش کیا۔ اس میں شاد صاحب کی حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰ اور ان کی گرانمایہ کتاب "ہدایت مخلصین" پر بے باکانہ تحریر پڑھ کر اس پر قدرے تبصرہ کرنے کی ضرورت پڑی۔ بصارت کی کمزوری اور چلنے پھرنے کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے تاریخی مواد حاصل کرنے میں بھی بہت دقت پیش آئی۔ اب خدا کے فضل و کرم سے تبصرہ تکمیل پذیر ہے۔ (سائتر)

مخدوم حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰ کا اصلی وطن ہندوستان میں گجرات ہے۔ آپ سلطان العارفین محبوب العالم حضرت مخدوم شیخ خمرہ قدس اللہ سرہ کے خلیفہ اول ہیں۔ آپ کو اپنے مرشد کامل سے والہانہ محبت تھی۔

عبادت و ریاضات میں یکیتے زمانہ اور کشف و کرامات میں فردِ یگانہ تھے۔  
اپنے مرشدِ کامل کی فرمائش پر آپ کے مریدوں کی تربیت کی ہے۔ عالمِ دین  
اور صاحبِ تصانیف تھے۔ آپ کا آستانہٴ مقدس موضعِ تیلہ مولہ تحصیل گاندربل  
ضلع سرینگر میں ہے۔

آپ سے متعلق صاحبِ اسرارِ برابر حضرت بابا داؤد مشکواتی لکھتے ہیں:  
”آنکہ برکار بزرگاں حق بدادہ قدرس۔ در بلادِ کشف  
بودہ نیک اعمال حضرتش دیورا آفت شد ازوئے ہم شفا  
از خرنش۔ شیخ حیدر آنکہ اندر تیلہ مولہ تربش۔“

• (وہ جن کو خداوند کریم نے بزرگوں کے طریقے پر چلنے  
کی توفیق بخش دی تھی۔ وہ جن کے نیک اعمال سے کشف اور  
کرامات کے کمالات ظاہر ہوتے تھے۔ آپ کے قہرِ نظر سے دیو  
آفت زدہ ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کی نظرِ عنایت سے ہی آخر کار  
شفایاب ہوا۔ آپ کا اسم مبارک شیخ حیدر ہے اور آپ کی  
تربت شریف موضعِ تیلہ مولہ تحصیل گاندربل میں ہے۔)  
اپنی گرانمایہ تصنیف ”ہدایت المخلصین“ میں آپ رقمطراز ہیں کہ:  
”میرے والد بزرگوار صحیح النسب سید ہیں۔ میرے والدین  
مرحومین نے میرے بچپن میں ہی انتقال فرمایا۔ میرے بزرگ  
چاچا نے میرے سن بلوغ تک میری پرورش کی۔“

آپ ایک شیریں بیاں شاعر تھے۔ چنانچہ درجِ صدر کتاب ”ہدایت المخلصین“  
لے مخطوط ہدایت المخلصین ص ۱۔ لیسرچ لائبریری یونیورسٹی کمپس حضرت بل سرینگر



میں آپ کا لکھا ہوا ایک قصیدہ ہے جو کہ آپ نے اپنے مرشدِ کامل حضرت  
مخدوم شیخ حمزہؒ کی مدح میں لکھا ہے۔<sup>۱۵</sup>

صاحبؒ تذکرۃ العارفین "حضرت مخدوم شیخ بابا محمد علی رینہ برادر اکبر  
حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ آپ سے متعلق اپنی درجہ صدر تصنیف میں اس طرح  
بیان فرماتے ہیں : سید السادات العرب والعجم

روح مجسم حضرت مخدوم میر بابا حیدر مخدوم ثانی سے متعلق حضرت  
محبوب العالمؒ فرماتے تھے کہ :

"سائے مریدوں میں سے تیر کے میرا مرید بننے پر مجھے فخر ہے۔"  
مخدوم ثانی کے نام سے حضرت رُوی ریشیؒ نے بھی آپ کو پکارا ہے۔ قائم مقام  
مخدوم العالمین۔ مقبول نظر پیر روشن ضمیر حضرت محبوب العالمؒ۔ آپ ساداتِ  
علوی میں سے تھے۔ زبیدہ اکابرین طبقہ شطاریہ تھے۔ ولی مادر زاد تھے۔  
صاحبِ کرامات و مقامات تھے۔ آپ کا اصلی وطن ہندوستان میں گجرات  
کلاتی تھا۔ نوجوانی کے آغاز میں ہی یہاں کشمیر میں آکر مرشدِ کامل حضرت مخدوم  
شیخ حمزہؒ کے مرید بن گئے۔ حضرت مخدومؒ آپ کو مخدوم ثانی کے نام سے پکارتے  
تھے۔ جہاں کہیں حضرت مخدومؒ روحانیت سے حاضر ہو جاتے تھے وہاں حضرت  
میر صاحب موصوف بھی حاضر ہو جاتے تھے۔ ایک روز حضرت میراؤسی صاحبؒ  
روحانی طور حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ سے ملاتی ہوئے اور سوال کیا کہ :

"یا غوث الاعظم محبوب العالم ! کیا اس زمانے میں کوئی صاحب ہیں کہ جنکے  
جیسے متقدمین میں چند کس گزرے ہوں اُلبتہ متاخرین میں جن کا جیسا عارف  
۱۵ مخطوط ہدایت المخلصین ص ۱۹۵، ریسرچ لائبریری یونیورسٹی کیمپس حضرت بل سرنیکر

قطبِ حق، مردِ کامل پیدا نہ ہوا۔ آپؐ نے فوراً جواب میں فرمایا کہ :  
 ”یہ میرا جیدر تیلہ مولیٰ ہیں“<sup>۱</sup>

پھر فرماتے ہیں کہ :

”ایک دفعہ حضرت میر موصوفؒ خلوت نشین ہوئے۔ آپ نے چالیس دن ایک طہارت اور ایک افطار پر گزار دیئے چالیس دن اس طرح خلوت میں رہ کر کچھ کھایا پیا نہیں۔ عید کے دن افطار کیا۔ اس سلسلے میں ایک درویش صفت آدمی نے آپ سے سوال کیا کہ ”اے میر! چالیس دن خلوت میں بے کھائے پیئے آپ نے گزار دیئے۔ باوجود اس کے آپ کی قوت اپنے حال پر موجود ہے، بلکہ قوی تر ہے۔ اس میں کیا حکمت ہے؟“  
 حضرت میر موصوفؒ نے جواب میں فرمایا کہ جو قوت ذکر و فکر سے پیدا ہوتی ہے، وہ تقریر و تحریر میں نہیں آسکتی ہے اور نہ ہی ظاہری خویش کو اس کے برابر قوت ہے۔ بیداری کی خویش کو خواب میں نعمتیں کھانے سے کیا نسبت ہے۔ ظاہری طور کھانے پینے سے جو قوت حاصل ہو جاتی ہے، اس سے بڑھ کر قوت ذکر و فکر سے حاصل ہو جاتی ہے۔“<sup>۲</sup>

پھر لکھتے ہیں کہ

”حضرت میر علیہ الرحمۃ کے تقریباً ایسے دو سومرید تھے“

<sup>۱</sup> لے مخطوط تذکرۃ العارفین ص ۴۶، ۳۲۱، ۳۵۶ ریسرچ لائبریری یونیورسٹی ٹکیمپس

۲ لے ایضاً ص ۳۵۹



جن میں سے پچاس غوث، ایک سو قطب، چالیس ابدال، سات  
 اخیر، ایک سلطان اور ایک غوث حق تھا۔ آپ نے خود میری  
 حضرت خواجہ حسن قاریؒ، حضرت خواجہ اسمٰعیل قاریؒ، خواجہ  
 عطار گنائیؒ وغیرہ کی روحانی تربیت فرمائی ہے۔ کلاہ مبارک اور  
 کمر بند شریف جو خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ سے حضرت مخدوم  
 جہانیاں کو اور ان سے حضرت مخدوم شیخ حمزہ کو اپنے مرشدِ کامل  
 حضرت سید جمال الدین اُچہ، بخاری سے عطا ہوئے، آخر  
 حضرت میر موصوفؒ کو حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ سے بطور تبرک ملے۔  
 راقم نے آپ کی صرف ایک گرانمایہ تصنیف ”ہدایت المخلصین“ دیکھی اور  
 پڑھی ہے۔ آپ کی اور بھی تصانیف ہیں۔ چنانچہ صاحب تذکرۃ العارفین لکھتے ہیں کہ:  
 ”ہدایت المخلصین کے علاوہ آپ نے چند رسالے تصنیف  
 کئے ہیں۔ جن میں سے خاص تصنیف ”سلوک المراقبات“ ہے۔  
 اس میں ہر قسم کے انواع و اقسام کے اذکار و افکار اور مراقبات  
 درج ہیں۔ حضرت خواجہ حسن قاریؒ کو یہ کتاب بہت عزیز تھی۔  
 آپ ہر وقت اس کا کوئی نہ کوئی ورق کھولتے تھے اور اس کو بوسہ  
 دیتے تھے۔ غلاف میں اس کو لپیٹ کر آنکھوں پر ملتے تھے، سینے  
 سے لگاتے تھے۔ غرض ہر قسم کی تعظیم بجا لاکر پھر احترام کے ساتھ  
 طاقی پر رکھ دیتے تھے۔“

۱۔ مخطوط تذکرۃ العارفین ص ۳۸۲ ریسرچ لائبریری یونیورسٹی کیمپس حضرت بل سرنگر

۲۔ ایضاً ص ۳۵۶

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ :

"ایک دفعہ میں مرشدِ کامل کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا کہ حضرت میر حیدرؒ اور حضرت خواجہ اولیس قرنیؒ اکٹھے پہاڑ کی چوٹی پر ظاہر ہوئے۔ حضرت مخدومؒ نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ آؤ بیٹے! کیا تجھ کو معلوم ہے کہ حضرت خواجہ قرنیؒ نے میر حیدر کو کیوں دوست بنایا ہے؟ میں نے عرض کی۔ "یا مخدومؒ! اس بات سے بالکل بے خبر ہوں۔" پھر حضرت مخدومؒ نے اس کی وضاحت اس طرح کی کہ "میر حیدرؒ مکمل طور پر فقر کی دولت سے آراستہ ہیں۔ جس طرح آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیوی کُروفر کو ناپسند فرمایا تھا اسی طرح میر حیدرؒ بھی انکی متابعت پر مکمل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اولیس قرنیؒ ان سے محبت کرتے ہیں۔" صاحب چلچلہ العارفین حضرت خواجہ اسحق قاریؒ رقمطراز ہیں کہ :

"حضرت میر بابا حیدر رتیلہ مولیٰؒ کو ہمارا ان میں قریباً بارہ سال عبادتِ خفی میں مشغول رہے۔ حضرت مخدومؒ کے بغیر آپ کے حال و حال کی کسی ایک کو بھی علمیت نہیں تھی۔"ؒ

حضرت خواجہ موصوف اپنی اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ :

"حضرت میر موصوفؒ کی ایک کتاب اورادِ محبوبیہ ہے۔ اسمیں حضرت محبوب العالم مخدوم شیخ حمزہؒ کے ملقبات درج ہیں۔"ؒ

۱۔ مخطوط تذکرۃ العارفین ص ۳۸۳ ریسرچ لائبریری کشمیر یونیورسٹی سرینگر  
۲۔ مخطوط چلچلہ العارفین ص ۱۱۲ ریسرچ لائبریری کشمیر یونیورسٹی سرینگر

۳۔ ایضاً ص ۲۵۲



حضرت خواجہ موصوف پھر ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

”حضرت سلطان العارفینؒ نے چل چلہ عام طریقے سے نہیں بلکہ خاص طریقہ کا اہتمام کر کے جنگل میں ادا کیا ہے۔ اس جیسا چلہ کسی کو ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اس مدت میں انہوں نے ایسی خلوت نشینی اختیار کی ہے جو اعلیٰ مرتبہ والے صوفیائے دہر کو حاصل ہوتی ہے۔ ان کا شغل ذکر کو پوری طرح ادا کرنا تھا اور خلوت نشینی کی عبادات و مجاہدات میں اول سے آخر تک کوئی بھی ان کے اشغال سے مطلع نہ ہوا۔ صرف ان کے نزدیک ترین چند رفقاء جن میں زبدۃ العرفاء، قدوة الفقراء و اولیاء ہدایت المشائخین، قطب اولیاء، غوث العالم، فخر السادات والعبادین حضرت شیخ میر بابا حیدر تیلہ مولیٰ سلمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ آپ کا اصلی وطن گجرات ہے۔“<sup>۱۷</sup>

موصوف پھر فرماتے ہیں کہ :

”میں نے حضرت میر سید حیدر کی خدمت میں رہ کر تلقین استفراق پایا اور اس میں مشغول ہوا اور استفراق کے اسباق سیکھ کر بے شمار فوائد سے فیض یاب ہوا۔“<sup>۱۸</sup>

صاحب تذکرۃ المرشدین حضرت میرم بزاز سکندر پوری لکھتے ہیں :

حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰؒ کو طے مکان حاصل تھا۔ آپ

---

<sup>۱۷</sup> مطبوعہ چراغ معرفت ترجمہ چلیات العارفین از پیرزادہ سلام الدین سہروردی ص ۸۹۔۹۰

<sup>۱۸</sup> ایضاً ص ۲۰۰

قطب الاقطاب کے مرتبہ تک پہنچ گئے تھے۔<sup>۱۱۱</sup>

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ

”پیر کامل حضرت شیخ حمزہؒ نے ۹۹۷ھ میں مشاہدہ میں آکر مجھے تلقین کی کہ اپنی کتاب تذکرۃ المرشدین لکھتے وقت آپ کے دوسرے خلفاء کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ خاص کر حضرت بابا داؤد خاکیؒ کی ”ورد المریدین“ اور حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰؒ کی ”ہدایت المخلصین“ کا نام لے کر ذکر کیا۔“<sup>۱۱۲</sup>

صاحب ”اسرار الابرار“ حضرت بابا داؤد مشکوٰتی لکھتے ہیں :

”حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰؒ حضرت محبوب العالمؒ کے مرید خاص، صاحب کشف و کرامات اور ظاہر و باطن کے مردِ کار تھے۔ نذر و نیاز اور ہدیہ نہیں لیتے تھے۔ بلکہ اپنی محنت و مشقت سے کمائے ہوئے زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ سے متعلق ذکر ہے کہ ایک دفعہ حضرت محبوب العالمؒ کسیر کرتے ہوئے ایک جوئے آب کے کنارے بیٹھ گئے۔ اسی جوئے آب کے کنارے کہیں بہت دور حضرت میر صاحب موصوفؒ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت محبوب العالمؒ نے جوئے آب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”شیخ حیدر سے کہو کہ ہمارے لئے چاول اور مچھلی لائے۔ ایک گھنٹہ گزر گیا کہ حضرت شیخ حیدر چاول کی پھیلی اور مچھلیوں کی ٹوکری لے کر حاضر ہوئے۔“

۱۔ مخطوط تذکرۃ المرشدین ص ۷۵ ریسرچ لائبریری کشمیر یونیورسٹی

۲۔ ایضاً ص ۱۱۲



حضرت محبوب العالمؒ نے ان سے فرمایا کہ تم کو یہ خبر کس نے دیدی؟  
 انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ اسی جوئے آب نے جس کے ذریعے  
 آنجنابؑ نے پیغام بھیج دیا تھا۔<sup>۱</sup>

فاضل موہرخ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری آپ کی ذاتِ بابرکت سے متعلق یوں  
 رطب اللسان ہیں :

”شیخ حیدر لاریؒ جو کہ عوام میں میر حیدر کے نام سے مشہور  
 ہیں، لیکن بابا داؤد مشکوٰتیؒ جن کو اس طبقہ کے قریبی زمانے  
 سے تعلق ہے نے اپنی کتاب اسرار الابرار میں آپ کی سیادت  
 کا اظہار نہیں کیا ہے۔ اپنے پیرانِ بزرگ سے متعلق انکے بہت  
 سے نسخے ہیں کہ بعض لوگ ان کو کمالی اعتقاد و اعتراق اور مبالغہ  
 تصور کرتے ہیں — والعلم عند اللہ“<sup>۲</sup>

ایسا اظہار یہاں حضرت شیخ عبدالوہاب نوریؒ نے بھی اپنی کتاب ”فتحات الکبرویہ“  
 میں کیا ہے۔<sup>۳</sup>

فاضل موہرخ پیر زادہ حسن شاہ آپ سے متعلق اس طرح رقمطراز ہیں :  
 ”آپ نے اپنے مرشد بزرگوار حضرت سلطان العارفینؒ کے  
 کے حالات اور کرامات میں ”ہدایت المخلصین“ لکھی ہے۔ بعض  
 موہرخ کہتے ہیں کہ مذکورہ کتاب ان کی تصنیف نہیں بلکہ پرگنہ

<sup>۱</sup> مخطوط اسرار الابرار ص ۱۲۳

<sup>۲</sup> مطبوعہ واقعات کشمیر ص ۱۳۲

<sup>۳</sup> مخطوط فتحات الکبرویہ ص ۱۲۲

زمین گیر کے گاؤں تاجر کے بالوں نے (پیروں کا وہ فرقہ جن کا نسب سید نہیں) اپنی وراثت کے دعوؤں میں بابا علی ریشہ کا حضرت مخدومؒ کا بھائی قرار دینے کے لئے لکھوا کر حضرت میر کی طرف منسوب کی ہے اور بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کو پیش کی ہے اور قاضی خان نے ان کی طرفداری کر کے ان کی وراثت کو پایہ ثبوت تک پہنچایا ہے۔ خدا ہی حقیقت اور اصلیت کو بہتر جانتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت میر روشن ضمیر خدا دوست تھے۔<sup>۱۷</sup>

ان دو فاضل مورخین کے بعد خواجہ غلام محی الدین امرتسری اپنی کتاب ”تحفہ محبوبی“ میں بیان کرتے ہیں:

”ہدایت المخلصین میں آپ نے حضرت مخدومؒ کے حالات اس قدر محبت اور عقیدت سے لکھے ہیں کہ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کو آپ کے تذکرے میں یہ فقرہ لکھنا پڑا کہ (نسخہ مادر احوال پیرانی خود دارد کہ بعض مردم آلا را محمول بر کمال اعتقاد و اعتراق و مبالغہ دانند)۔ علاوہ اس کے اسرار الانبیاء کے مشہور مصنف نے وجہ تصنیف و مقصد مصنف بیان کر کے لکھا ہے کہ (بعض محققان نے گویند کہ نسخہ مذکور از کلام ایشان نیست)۔<sup>۱۸</sup>

فاضل مورخ خواجہ اعظم صاحب دیدہ مری کی تاریخ کو لوگ مستند

<sup>۱۷</sup> مطبوعہ اسرار الانبیاء ص ۵۸

<sup>۱۸</sup> مطبوعہ تحفہ محبوبی ص ۶۶



تسلیم کرتے ہیں اگرچہ بعض جگہوں پر آپ پھسل گئے ہیں۔ لیکن بندۂ حق کو بھی آپ کا بہت بہت احترام ہے۔ اس لئے کہ آپ نے ایک تاریخ نگار کے کٹھنری قوم کی بڑی خدمت کی ہے۔ "ہدایت المخلصین" کے مصنف حضرت میر بابا حیدر تلمیوی پر شاید آپ ہی نے پہلے پہل یہ خامہ فرسائی کی ہے کہ :

"نسخہ ہا در احوال خود دارند کہ بعض مردم آں را معمول بر کمال

اعتقاد اغراق و مبالغہ وے دانند"

ویسے تو فاضل مورخ نے شاید حضرت میر صاحب کے سارے نسخوں پر اس قسم کی تنقید فرمائی ہے یا شاید سارے مصنفین خلفائے محبوب العالم حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ کے گراں قدر نسخہ جات پر ایسا ریا رک (REMARK) پاس کیا ہے۔ "ہدایت المخلصین" کا خصوصی طور نام نہیں لیا ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کی یہ خامہ فرسائی "ہدایت المخلصین" پر نہ ہو۔ موصوف نے اس جملے میں "بعض مردم" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ آپ کو چاہیے تھا کہ اس "بعض مردم" لفظ کو استعمال کر کے مثال کے طور پر کچھ نام پیش کرتے تاکہ یہ تو معلوم ہو جاتا کہ "بعض مردم" کون ہیں ؟ اس لفظ "بعض" میں سارے علماء و فضلاء و صلحا، مورخین اور تذکرہ نگاروں کی سندت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جبکہ کسی ایک کا نام بھی ہمارے تعارف کرانے کے لئے بطور حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔ اس لفظ "بعض" میں تمام سما نہیں سکتا۔ بلکہ تمام میں "بعض" سما سکتا ہے۔ اگر اس لفظ "بعض" میں کوئی ایک صاحب بھی معتبر ہوتا تو آپ ضرور اس کا حوالہ دیتے کیونکہ ایسا کرنے سے آپ کی بات کی تصدیق ہو جاتی۔ لفظ "بعض" استعمال کرنے سے ہی آپ کی رائے اپنی اہمیت کھو بیٹھتی ہے۔ مورخ کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ایسی بات کو ثابت کرنے کیلئے سندت پیش کرے۔

مستتبہ صورت میں نہ لکھے۔ اب اگر کسی کی اپنی ذاتی رائے ہو تو اس کو چاہیے کہ لفظ "بعض" استعمال کر کے دوسرے لوگوں کو اس سلسلے میں یوں ہی اچھلنے کی بے جا کوشش نہ کرے۔ بہر حال یہ صاف عیاں ہے کہ خود خواجہ صاحب موصوف کی نظروں میں لفظ "بعض" کا کوئی وزن نہیں۔ یہ بھی شکر کی بات ہے کہ خواجہ صاحب موصوف نے اپنی تاریخ میں ایسا اظہار نہیں فرمایا ہے کہ مذکورہ صدر کتاب حضرت میر صاحب تیلہ مولیٰؒ کی نہیں ہے۔

خواجہ صاحب موصوف نے اپنی تاریخ قلمبند کرتے وقت درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا ہے :

- تاریخ سید علی۔
- تاریخ رشیدی۔
- تاریخ حسن بیگ خاکی۔
- تاریخ ملک حیدر چاڈورہ۔
- ریشی نامہ از حضرت بابا نصیب الدین غازی۔
- درجات سادات از خواجہ اسحق ناوچو۔
- اسرار الابرار از بابا داؤد مشکوٰتی۔
- تحفۃ الفقراء و دیگر رسالہ ہا۔
- مرشدی مرادی۔
- مآثر عالمگیری از مفید خان و
- یک دو تاریخ از بعض متاخرین تا عہد عالمگیرؑ

---

۱۱۶ مطبوعہ واقعات کشمیر از دیدہ مری ص ۲۶۶



درج بالا کتابوں کی فہرست میں حضرت شیخ خاکیؒ کی دستورالکین کا کہیں وجود نہیں تو دوسرے خلفائے محبوب العالمؒ کی بات ہی نہیں۔ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰؒ سے متعلق ایک دو سطریں لکھ کر اپنی تاریخ میں یہ نرالا ریمارک کس طرح پاس کیا۔ جبکہ خلفائے محبوب العالمؒ کی کتابوں میں سے آپ نے ایک بھی اپنے مطالعہ میں نہیں لائی ہے۔

خواجہ صاحب موصوف نے حضرت شیخ خاکیؒ کی بلند پایہ مستند کتاب ”وردا المریدین“ کی شرح بسیط دستورالکین کا مطالعہ نہیں فرمایا ہے۔ جس سے ہر ایک قلم کار استفادہ کرتا آیا ہے۔ جو نفس مضمون اور طرز بیان اس میں ہے وہی دوسرے خلفاء حضرت محبوب العالمؒ کا بھی ہے۔ ان ساری تصانیف میں حضرت محبوب العالمؒ کے اذکار و افکار، کشف و کرامات، روحانی کمالات اور راہ سلوک کے مقامات کا بیان ہے۔ خواجہ صاحب موصوف اس جہاں سے قطعی بے خبر ہیں کہ یہ کتابیں تصنیف کرنے کے لئے خود آنجنابؒ نے ہی اپنے ان بزرگ خلفاء کو تلقین فرمائی جو۔ یہ تصانیف ساری کی ساری آنجنابؒ کی کیمیائثر نظروں سے گزری ہیں۔ آنجنابؒ نے ان پر مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے۔ ان تصانیف کو حضرت خاکیؒ نے بھی معتبر مانا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے :

”در بعض نسخہ متبرکہ رتبہ ابدال و سیاحت نوشتہ شد و آں ہم راست است۔“

در اصل بات یہ ہے کہ کوتاہ اندیش اور تنگ نظر لوگ اولیاء اللہ کے کشف و کرامات اور کمالات و مقامات کے کسی صورت بھی قائل نہیں ہوتے۔ جیسا کہ حضرت شیخ خاکیؒ اپنی گرامیہ تصنیف ”وردا المریدین“ میں فرماتے ہیں

منکرہ ازیاور ندارد ایں کرامت دور نیست

کے ببوجہل سبب دل معجزہ باور شد است

• — (منکرین اگر آپ کی کرامتوں اور خرقِ عادات سے انکار

کرتے ہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ سیاہ دل البوجہل

نے نبیؐ برحق کے معجزات قبول کرنے سے انکار کیا ہے)

حضرت شیخ موصوف نمایاں طور پر فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنے مرشدِ کامل

حضرت محبوب العالم مخدوم شیخ حمزہؒ کے اُن سارے کشف و کرامات اور کمالات

و مقامات کا ذکر کروں جن کامیں نے خود بذات مشاہدہ کیلئے تو عوام کو یقین

نہیں آئے گا اس لئے بالکل اختصار سے کام لینے پر مجبور ہوا ہوں۔ برصداق

من کجا شرح کرامات و مقامات از کجا

باز در نظم قصیدہ کا ضیق احقر شد است

• — (فرماتے ہیں کہ میں ناچیز اور آنجنابِ فضیلت مآب کی

کرامتیں اور مقامات کہاں۔ یہاں تک کہ ان کا پورا بیان ایک

ایک قصیدہ والی نظم میں کس طرح کر سکوں گا۔ جبکہ قصیدہ کی نظم

کا دامن بالکل تنگ اور محدود ہوتا ہے۔)

فاضل مؤرخ پیرزادہ حسن شاہ کا حوالہ سابقہ اوراق میں آپ نے پڑھا۔

انہوں نے ”ہدایت المخلصین“ جو کہ حضرت میر بابا حیدر تیلیہ مولیٰؒ کی مستند کتاب ہے

سے ہی انکار کیا ہے اور اپنی ایک انوکھی من گھڑت کہانی دہرائی ہے۔ پیرزادہ

موصوف نے اپنی کتاب ”اسرار الٰخیر“ مرتب کرنے میں مندرجہ ذیل تصانیف

سے استفادہ کیا ہے۔ جیسا کہ آپ نے اس کے صفحہ ۲، ۳ پر اظہار کیا ہے:



- وقائع کشمیر
- اسرار الابرار
- واقعات کشمیر
- فتحات کبرویہ
- فتحات قادریہ
- دستور السالکین
- خوارق السالکین
- تاریخ شایق
- تاریخ باغ سلیمان
- وقائع نظامیہ
- تاریخ مولوی ہدایت اللہ متو
- خمسہ بہاؤ الدین
- تحقیقات امیری اور مجموعہ شیوا<sup>۱</sup>

فارئین کرام ذرا دیکھ لیں کہ اس درج شدہ گوشوارہ میں "ہدایت المخلصین" کا نام درج ہے جس کا مطالعہ کر کے موصوف نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ کتاب مبالغہ آمیز ہے۔ یہ حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰ کی تصنیف نہیں بلکہ موضع تخریر گنہ زینہ گیر کے پیروں نے اپنی وراثت کے دعوؤں میں حضرت شیخ بابا محمد علی ربینہ کا حضرت محبوب العالم مخدوم شیخ حمزہ کا بھائی قرار دینے کے لئے اس کو لکھوا کر حضرت میر کی طرف منسوب کیا ہے۔

بندۂ احقر کی اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ بات کی تہہ تک جانے کے بعد یہ  
 حقیقت سامنے آتی ہے کہ پیر زادہ موصوف نے اس متذکرہ کتاب ”ہدایت المخلصین“  
 کو دیکھا تک نہیں ہے، مطالعہ کرنے کی تو بات ہی نہیں۔ حضرت محبوب العالمؒ کے  
 بزرگ خلفاء میں سے آپ کے سامنے صرف حضرت شیخ خاکیؒ کی ”دستور السالکین“  
 رہی ہے۔ معلوم نہیں کہ آپ کو یہ بھی علم تھا کہ حضرت محبوب العالمؒ کے خلفاء میں  
 سے حضرت مولوی احمد چاگلیؒ، حضرت خواجہ حسن قاریؒ، حضرت خواجہ اسماعیل قاریؒ  
 حضرت میرم بزاز سکندر پوریؒ اور خود حضرت مخدوم شیخ بابا محمد علی رینیؒ (برادر اکبر  
 حضرت محبوب العالمؒ مخدوم شیخ حمزہؒ) صاحب تصانیف اصحاب گزرے ہیں۔  
 انہوں نے اپنی گرانمایہ تصانیف میں کیا کچھ لکھا ہے؟ آخر ایک ”دستور السالکین“ میں  
 آپ کو ”ہدایت المخلصین“ پر ایسا ریمارک پاس کرنے پر کیا ملا ہے۔ ”دستور السالکین“  
 تو ”رد المریدین“ کی ایک بسیط شرح ہے جو کہ ایک مدحیہ قصیدہ ہے۔ اس میں کسی  
 کی زندگی کے حالات اور واقعات وغیرہ تو درج نہیں ہیں۔ آپ کو چاہیے تھا کہ دیگر  
 بزرگ خلفاء محبوب العالمؒ مخدوم شیخ حمزہؒ کی تصانیف کا مطالعہ کرتے۔ کیونکہ  
 انہوں نے اپنے مرشد برحقؒ کا سب کچھ حال اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ان کی  
 ہر ایک بات قابل اعتبار تھی۔ ان کی گراں قدر تصانیف کو حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ  
 نے خود اپنی بابرکت ذات سے مشاہدہ فرمایا ہے۔ ان مستند تصانیف کے برعکس  
 پیر زادہ موصوف نے ان کتابوں کو اہم قرار دیا ہے جو ان بزرگ خلفاء کے  
 بہت مدت بعد لکھی گئی ہیں۔ یہ پیر زادہ موصوف ہی نہیں جن کے پیش نظر صرف  
 گرانمایہ ”دستور السالکین“ رہی ہے۔ بلکہ جس کسی نے بھی حضرت مخدومؒ پر کوئی  
 تبصرہ کیا ہے یا کتاب لکھی ہے، وہ اسی گراں مایہ تصنیف ”دستور السالکین“ کے



احاطے میں محدود ہو کر رہا ہے۔ اکثر حضرات بھی باقی بزرگ خلفائے تصانیف کا مطالعہ کرنے کی زحمت کو ادا نہیں کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لکھنے والوں نے اس گراں قدر تصنیف ”دستور السالکین“ کا بھی مطالعہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ حضرت بابا داؤد مشکوٰتیؒ کی ”اسرار الابرار“ جو کہ اس سلسلے میں اس کا چہرہ ہے دیکھ کر سب کچھ لکھتے آتے ہیں۔

بہر حال سچ تو یہ ہے کہ پیر زادہ موصوف نے ”یہ اغراق و مبالغہ آمیز فقرہ“ شاید خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کی تاریخ سے اخذ کیا ہے اور اس ایک اغراق و مبالغہ آمیز فقرہ کو بڑھاد دیکر ایک من گھڑت کہانی گھڑ لی ہے ورنہ اس معتبر کتاب سے متعلق کسی ایک فاضل مؤرخ نے ایسی مبہمانہ رائے ظاہر نہیں کی ہے کہ ”ہدایت المخلصین“ میر بابا حیدر کی تصنیف تھیں بلکہ موضع تکرر کے بعض لوگوں نے اپنی وراثت کے دعوؤں میں حضرت شیخ بابا محمد علی رینہؒ کا حضرت محبوب العالمؒ مخدوم شیخ حمزہؒ کا بھائی قرار دینے کے لئے اس کو لکھو اگر حضرت میرؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اگر بقول پیر زادہ موصوف یہ حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰؒ کی کتاب نہیں ہے تو پھر یہ کس کی تصنیف ہے؟ کوئی شخص اپنی طرف سے کتاب لکھ کر دوسرے کے نام کیوں منسوب کرے۔ آخر اس میں کون سی بغاوت ہے جس کی پاداش میں اس کو پکڑا جاتا۔ سچ یہ ہے کہ اس معرکہ الآرا کتاب سے انکار کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس میں صاف طور پر واضح کیا گیا ہے کہ مخدوم حضرت شیخ بابا محمد علی رینہؒ حضرت محبوب العالمؒ مخدوم شیخ حمزہؒ کے عینی برادر گرامی ہیں باقی مبالغہ آمیزی کی بات نہیں ہے۔

پیر زادہ صاحب موصوف لکھتے ہیں

”تجربے بالوں نے وراثت حاصل کرنے کے لئے ”ہدایت المخلصین“

لکھوا کر حضرت میر موصوف کی طرف منسوب کی ہے اور بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کو پیش کی ہے اور قاضی خان نے انکی طرفداری کر کے بالوں کی وراثت کو پایہ ثبوت تک پہنچا دیا ہے۔ خدا ہی اصلیت اور حقیقت کو بہتر جانتا ہے۔“ لے

اگر ہم بقول پیر زادہ صاحب یہ بھی مان لیں کہ مذکورہ کتاب حضرت میر صاحب

لے اورنگ زیب عالمگیر سے متعلق کچھ تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ قارئین کرام کو یہ معلوم ہے کہ مغل بادشاہوں میں یہی ایک بادشاہ بلند کردار اور سچے دیندار گزرے ہیں۔ ان کی پوری زندگی سچے مذهب اسلام پر گزری ہے۔ اسلامی فقہ سے متعلق ان کی کتاب ”فتاویٰ عالمگیری“ ایک شاہکار ہے۔ اب رہے قاضی خان یہ یہاں بچھ خاندان کے ایک نامور فرد گزرے ہیں انہوں نے ایک پرمیز کار باوقار ملا عبد الرشید زرگر سے علم کے مختلف شعبوں کا اکتساب کر کے اپنے ہم عصروں سے سبقت حاصل کی۔ اپنی قابلیت کی بنا پر دربار عالمگیری میں رسائی پائی۔ آپ دربار شاہی میں علمی مسائل کی تحقیق اور بحث و مباحثوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ کچھ مدت کے لئے شہزادۂ اعظم کو بھی پڑھاتے رہے۔

شاہجہاں آباد کے قاضی بھی رہے۔ بنگال میں بھی ایک سال منصب قاضی پر فائز رہے۔ آخر پر اقبال کی یاورمی سے سلطنت مغلیہ کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ کچھ مدت کے لئے مغل دربار کی طرف سے کشمیر کے ڈپٹی گورنر رہے ہیں۔ قارئین کرام کو چاہیے کہ ان کی پُر وقار شخصیت کو مد نظر لا کر دیکھ لیں کہ پیر زادہ موصوف کہاں تک اپنے لکھنے میں یہاں حق بجانب ہیں۔



موصوف کی تصنیف کردہ کتاب نہیں ہے کسی اور نے لکھی ہے مگر یہ بتائیے کہ جو  
 ”ہدایت المخلصین“ حضرت میر صاحب موصوف نے تحریر فرمائی ہے وہ کہاں ہے؟  
 کیونکہ حضرت میر صاحب موصوف کی اس گراں قدر کتاب کا حوالہ بہت سارے مؤثر  
 مصنفین نے اپنی اپنی تصانیف میں دیا ہے۔ جب تک حضرت میر صاحب موصوف  
 کی لکھی ہوئی گرانقدر ”ہدایت المخلصین“ کا وجود ثابت نہیں ہوتا تب تک علمائے  
 پس موجودہ ”ہدایت المخلصین“ آپ کی بابرکت ذات سے منسوب ہو کر رہے گی  
 اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

حضرت میر صاحب موصوفؒ کی ”ہدایت المخلصین“ سے متعلق بہت سارے  
 مصنفین نے ہی نہیں بلکہ خود دیگر خلفائے بزرگ حضرت محبوب العالم مخدوم  
 شیخ حمزہؒ نے اپنی اپنی گراں مایہ تصانیف میں ذکر کیا ہے جیسے کہ حضرت میرم بزاز  
 سکندر پوری لکھتے ہیں :

”جب میں نے تذکرۃ المرشدین“ ۱۹۹۷ء میں لکھنے کی خواہش  
 کی تو مرشدِ کامل محبوب العالم حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ مشاہدہ میں  
 آئے اور فرمایا (جیسا کہ لکھا ہے) ”اچانک آنحضرتؐ مشاہدہ میں  
 ظاہر ہوئے۔ میں نے عرض کی کہ یا حضرت مخدوم یا غوث الاعظم!  
 میری استدعا ہے کہ میں آنحضرتؐ کے کچھ حالات و مقامات  
 لکھوں تاکہ میرے دردِ فراق اور امراضِ بدن کا علاج ہو جائے۔  
 ایسا کرنے کی مجھے اجازت عطا فرمائیں۔ آنجنابؐ نے اسی وقت  
 شفقت و مہربانی سے فرمایا کہ اے مخلصِ مُحب کیش! جو کچھ  
 اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے اور جو کچھ میری زبان سے سمجھا رہے

اس سے زیادہ کچھ نہ لکھو گے۔ اگر اس کے بغیر کسی وجہ سے تجھے صبر و قرار نہ آئے تو جو کچھ حضرت شیخ خاکیؒ کی تصنیف کی ہوئی ”ورد المریدین“ اور حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰؒ کی لکھی ہوئی کتاب ”ہدایت المخلصین“ اور جو کچھ خواجہ حسن قاریؒ، خواجہ اسحق قاریؒ، شیخ احمد چاگلیؒ اور مخدوم شیخ بابا محمد علی رینہ کے نسخوں میں نیکھا ہے یا مطالعہ کیا ہوگا۔ تکرار کے ساتھ اپنے نسخے میں بیان کیجئے۔“

یاد رہے کہ صرف یہی ایک نسخہ ”تذکرۃ المرشدین“ جو حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ کی اس دنیائے فانی سے نقل فرمانے کے بارہ سال ۱۹۹۷ء میں لکھا گیا ہے۔ آنجنابؒ نے اپنے سب خلفائے بزرگ کی تصانیف کا خود اپنی بابرکت ذات سے مشاہدہ فرمایا ہے۔ یہ ساری کی ساری تصانیف ہمارے پاس معتبر اور مصدقہ ہیں۔ کیونکہ آنجنابؒ نے حضرت میرم بزازؒ کو مشاہدہ میں ان بزرگ خلفاء کے نسخہ جات کو پیش نظر رکھ کر اپنی کتاب ”تذکرۃ المرشدین“ تصنیف کرنے کی تاکید و تلقین فرمائی ہے خاص کر حضرت شیخ خاکیؒ کی ”ورد المریدین“ اور حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰؒ کی ”ہدایت المخلصین“ کا ذکر ان کا نام لیکر فرمایا ہے۔

اسی طرح اس معرکہ الآرا کتاب ”ہدایت المخلصین“ سے متعلق حضرت مخدوم شیخ بابا محمد علی رینہؒ لکھتے ہیں :

”جس وقت حضرت میر بابا حیدر کو یہ کتاب لکھنے کا خیال

پیدا ہوا تو حضرت محبوب العالمؒ نے آپ سے فرمایا۔ یا مخدوم!

۱۔ مخطوط ”تذکرۃ المرشدین“ ص ۱۱۲ ریسرچ لائبریری یونیورسٹی کیمپس

حضرت بل سرنگر کشمیر



تو مایاں ذکرے و مراقبات دراں جمع کشیدہ۔

اس معرکہ الٰہی کتاب "ہدایت المخلصین" پر آج تک کسی ایک نے بھی تحقیقاتی کام نہیں کیا ہے تاکہ ہمیں پتہ چلتا کہ آخر فاضل موہرخ پیرزادہ حسن شاہ کے قول میں کہاں تک صداقت ہے کہ کیا یہ اصل ہے یا فرع ؟ لہذا اس وقت جو "ہدایت المخلصین" کے جو نسخے ہمارے پاس گھروں میں یا ریسرچ لائبریری میں دستیاب ہیں ہم بباغک بلند دعویٰ کر سکتے ہیں کہ یہی وہ "ہدایت المخلصین" ہے جو حضرت میر حیدر تیلہ مولیٰ نے تصنیف فرمائی ہے۔ کوئی یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ یہ کسی ملّا نے میر صاحب موصوف کی طرف منسوب کر کے وراثتی دعوؤں میں حضرت مخدوم شیخ بابا محمد علی رینہ کا حضرت محبوب العالمؒ کا بھائی قرار دینے کے لئے لکھی ہے۔ یہیں تو لگتا ہے کہ یہ ساری من گھڑت کہانی فاضل موہرخ پیرزادہ حسن شاہ کی خود اختراع کردہ ہے۔ اس کے بغیر اس قصے کا کوئی مصنف نہیں۔ یہاں نمایاں طور پر معلوم ہوتا ہے کہ پیرزادہ موصوف نے غیر جانبدارانہ موہرخانہ انداز بیان کو چھوڑ کر..... مفادات کو تقویت پہنچانے کی بے جا کوشش کی ہے اور اس طرح گویا تاریخ بیانی کے اخلاقی فرض کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔

بہر حال دونوں فاضل موہرخیں خواجہ اعظم دیدہ مری اور پیرزادہ حسن شاہ اپنی زریں آراء اور خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اس معرکہ الٰہی کتاب "ہدایت المخلصین" پر آخر میں بے ساختہ طور لکھنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ خدا ہی اصلیت اور حقیقت کو بہتر جانتا ہے۔ والعم عند اللہ۔ دونوں فاضل موہرخین کو خود یقین نہیں ہے اگر اس کی علمیت ہو کہ یہ بات ان کو تصدیق ہو جاتی تو ہرگز خداوند کریم کے حوالے نہیں

۱۔ مخطوط تذکرۃ العارفین ص ۲۷ ریسرچ لائبریری یونیورسٹی کیمپس حضرت بل سہنگر

کر دیتے۔ صاف عیاں ہے کہ آخر میں دونوں نے اپنی زریں آرا اور خیالات سے فرار کیا ہے۔

اب رہے فاضل مصنف خواجہ غلام محی الدین امرتسری، انہوں نے انہی درج بالا دو فاضل مورخین خواجہ محمد اعظم دیدہ مری اور پیر زادہ حسن شاہ کے مہم اور مشتبہ حوالے کی تقلید کرتے ہوئے یہی کچھ دہرایا ہے۔ اگر یہ صاحب اس سلسلے میں باضابطہ تحقیق کرتے اور اصلی معاملے کو سمجھتے تو ان کو پتہ چلتا کہ وہ اس معاملے میں کتنے پانی میں ہیں۔

بہر حال فاضل مورخ پیر زادہ حسن شاہ حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰ<sup>۳</sup> سے متعلق آخر میں لکھتے ہیں:

”حضرت میر روشن ضمیر خدا دوست تھے، ۸ محرم ۹۹۹ھ کو اس دنیا سے فانی ہوئے۔ رحلت فرمائی۔ موضع تیلہ مولیٰ میں ان کی زیارت ہے۔“

ادھر سے صاحب ”نورنامہ“ حضرت بابا نصیب الدین غازی لکھتے ہیں،  
 ”جب حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی تو آپ کی تجہیز و تکفین کا کام حضرت شیخ خاکی نے انجام کو پہنچا دیا۔ تیلہ مولیٰ میں آپ کا مقبرہ مقدس خاص و عوام کی زیارت گاہ ہے۔“<sup>۴</sup>

یاد رہے کہ فاضل مورخین کے لکھنے کے مطابق چکوں کے ظلم و تشدد کے دور میں حضرت شیخ خاکی چکار، لاہور، ملتان اور سیالکوٹ میں ٹھہرے ہیں۔  
 ۴ لے مخطوط ”نورنامہ“ ص ۳۹۴ از حضرت بابا نصیب الدین غازی۔ ریسرچ لائبریری۔



فاضل مصنفین نے تحریر کیا ہے کہ آپ نے ۳ صفر ۹۹۷ھ کو انتقال پُر ملال فرمایا ہے۔ جبکہ راقم نے اپنی طرف سے چچان بین کر کے ۳ صفر ۹۹۵ھ کو آپکا سال انتقال پُر ملال قرار دیا ہے۔ آپکے اس مسلمہ تاریخ انتقال کو پیش نظر رکھ کر ۹۹۹ھ کو کیسے آپ حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰؒ کے تجہیز و تکفین کا کام انجام دینے کیلئے پیدا ہو گئے۔

اس عمق ریشہ شخصیت حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰؒ اور آپ کی گرانمایہ تصنیف ”ہدایت المخلصین“ سے متعلق موجودہ دور کے ایک قلم کار نے جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹس گلچر اینڈ لینگویجز کے شائع کردہ رسالے ہمارا ادب اولیاء نمبر ۲ سال ۱۹۹۱-۹۲ء میں حضرت شیخ بابا ہر دی ریشی اسلام آبادی سے متعلق ایک مقالہ سپرد قلم کیا ہے جس میں آپ نے اپنی دقیق محققانہ نظر سے اس طرح گوہر نشانی کی ہے کہ حضرت ریشی مولیٰؒ کے اسم گرامی سے متعلق اتنی مستند شہادتیں تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کے اسم گرامی کی بامعنی وضاحت اور توجہ پیمہ پیش کی جائے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت موصوف ابھی شکم مادر میں ساتویں مہینے میں ہی گزر رہے تھے جب حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ کو خواب میں آکر بتایا کہ خدا باغ روحانیت کے ایک قد آور پودے کو دنیا میں لا رہا ہے۔ ان کے گھر جا کر ان کی والدہ سے کہہ دو کہ اس کا نام حیدر رکھیں۔

حضرت حمزہؒ نے حسب الحکم وہاں جا کر ان کی والدہ سے ایسا ہی کرنے کی تاکید کی۔ پھر ان کی پیدائش کے بعد ان کا نام حیدر ہی رکھا گیا۔ لیکن یہ نام لوگوں کی زبان پر نہیں چڑھ سکا۔ فصاحت کی کمی کی وجہ سے لوگوں نے انہیں بیدی اور پھر ہر دی کہنا شروع کر دیا اور یہی مشہور ہو گیا۔ یا للعجب! یہ افسانہ ”ہدایت المخلصین“ نام کے ایک غیر مستند اور بے ترتیب تذکرہ میں درج ہے جو بلا خوفِ ربّ قہار کسی

ملا بابا نے حیدر بابا کے تیلہ مولیٰ سے مسوب کیا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ حیدر بابا کو  
 میر بنا کے سادات میں شامل کر کے خود بھی سید بن جلتے۔ خود ہمارے زمانے میں بھی  
 ناموس و عزت رسول اکرم سے بے پروا ہو گئے اپنے آپ کو سید بناتے ہیں۔ حقیقت  
 میں متقی تذکرہ نگار جیسے حضرت خاکیؒ اور حضرت نصیبؒ اور مورخین جیسے اعظمی،  
 حسن اور کبیر وغیرہ اس بات پر متفق ہیں کہ حیدر بابا کے تیلہ مولیٰ "نسب سید نہیں تھے"  
 حضرت خاکیؒ نے ان کا ذکر بحیثیت سید نہیں کیا ہے۔ بابا نصیب کے "نور نامہ" میں ان کا  
 طویل تذکرہ کیا گیا ہے۔ آٹھ صفحات میں ان کا نام ستائیس بار بابا حیدر کے نام سے  
 آیا ہے۔ میر ان کے نام کے ساتھ نہ سابق درج ہے نہ لاحقاً۔ ملا بابوں نے یہ تذکرہ  
 مرتب کرتے وقت حیدر بابا کو پہلے میر حیدر گجراتی، پھر شتم تیلہ مولیٰ کے سید کے طور پر  
 پیش کر کے اپنے آپ کو سادات میں شامل کیا۔ یہ تذکرہ بے سرو پا کہانیوں کا پشتارہ  
 ہے۔ اس میں اولیاء کرام کی عظمت اور مومنانہ زندگی کو غیر شرعی کاموں، اعتقادات  
 اور دیگر باتوں کا مرتکب بتایا گیا ہے۔

آپ نے اپنے مرتب کردہ مقالہ میں اپنے عمیق تحقیقاتی کام میں بر ملا ظاہر  
 کیا ہے کہ :

- ۱۔ متقی تذکرہ نگار جیسے حضرت خاکیؒ، حضرت نصیبؒ اور  
 مورخین جیسے اعظمی، حسن اور کبیر وغیرہ اس بات پر متفق ہیں  
 کہ حیدر بابا کے تیلہ مولیٰ "نسب سید نہیں تھے"۔
- ۲۔ "ہدایت المخلصین" ایک غیر مستند اور پُر از مبالغہ تذکرہ ہے  
 یہ تذکرہ بے سرو پا کہانیوں کا پشتارہ ہے۔

- ۳۔ یہ تذکرہ مرتب کرتے وقت ملہ بابوں نے حیدر بابا کو پہلے



میر حیدر گجراتی پھر شتم تیلہ مولیٰ بنا کے سید کے طور پیش کر کے اپنے آپ کو سادات میں شامل کیا ہے۔

بندۂ احقر کو اس عظیم المرتبت ولی کامل حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰؒ اور حضرت موصوف کی گرانمایہ تصنیف ”ہدایت المخلصین“ سے متعلق یہاں دوبار بحث چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔ اس کی پوری وضاحت مقالہ لہذا میں ہو چکی ہے۔ ”ہمارا ادب“ حصہ سوم مرتب کردہ کلچرل اکیڈمی جموں و کشمیر میں حضرت مخدوم شیخ بابا محمد علی رینہؒ سے متعلق مقالہ پڑھ کر بھی اس کی مکمل علمیت حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ حضرت محبوب العالمؒ کے بلند مرتبت مصنفین خلفاء نے اپنی اپنی گرانمایہ تصانیف میں میر اور سید حضرت شیخ حیدرؒ کے مبارک نام کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ حضرت موصوف کا اصلی وطن ہندوستان میں گجرات کلاں ہے۔ نوجوانی کے آغاز میں ہی کشمیر میں آکر مرشد کامل حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ کے مرید بن گئے۔ خلفائے محبوب العالمؒ کی گرانمایہ تصانیف میں خلیفہ اول محبوب العالمؒ اور مخدوم ثانی کے مبارک القاب سے موسوم ہیں۔ حضرت مرشد کامل مخدوم شیخ حمزہؒ اپنے مریدوں کو روحانی تربیت حاصل کرنے کے لئے حضرت موصوفؒ کے سپرد فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ چند عالی مرتبت خلفائے محبوب العالمؒ کی بھی حضرت موصوفؒ نے روحانی تربیت کی ہے۔

موصوف محقق شاد صاحب اپنے تحقیقاتی کام کو وزن دار بنانے کے لئے رطب اللسان ہیں کہ متقی تذکرہ نگار جیسے حضرت خاکیؒ اور حضرت بابا انصیبؒ متفق ہیں کہ حیدر بابائے تیلہ مولیٰؒ نسباً سید نہیں تھے۔

اس سلسلے میں موصوف سے عرض ہے کہ حضرت شیخ خاکیؒ کے اس تذکرے

کا حوالہ دیں جس میں حضرت موصوف نے حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰ کو سید تسلیم نہیں فرمایا ہے۔ ہمارے سامنے حضرت موصوف کا ایسا کوئی متبرک تذکرہ نہیں ہے۔ ”ورد المریدین“ حضرت موصوف کا ایک لکھا ہوا متبرک قصیدہ ہے جس کی بسیط شرح ”دستور السالکین“ ہے۔ یہ قصیدہ حضرت موصوف نے اپنے مرشد کامل حضرت مخدوم شیخ حمزہ کی مدح میں لکھا ہے۔ اس میں اگر کسی کا نام آیا ہے تو وہ صرف مرشد کامل کے کسی روحانی کمال کو ظاہر کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔

جیسے ۱  
از کمال تربیت با خواجہ اسحاق حلیم  
گشتہ کلیم معتبر و مانع زماضمر شد است  
بارہا مشہور ریگو دلہ پُر اخلاص را  
از پئے حفظ از عدد در پر شد است  
در رہ تبت بوقت برف اندر دیوہ سوے  
دشگیر خواجہ زین آل حاجی اکبر شد است

اسی طرح حضرت موصوف نے قصیدہ فوائد جلالیہ، قصیدہ لامیہ اور قصیدہ غلیہ وغیرہ تحریر فرمائے ہیں۔ وہ بھی کوئی تاریخی تذکرے نہیں بلکہ مدحیہ قصیدے ہیں۔ ورد المریدین میں واضح طور پر حضرت موصوف فرماتے ہیں ۱

مدح شیخان است طاعت زان بہ مولائے روم  
مدح پیر خوشنیتن مقصودش دفتر شد است  
مدح شیخ این نظم من ورد المریدین نام یافت  
زانکہ وردش ساختن بر ہر مرید اجدر شد است

یہ سچ ہے کہ حضرت موصوف نے ایک تذکرہ و رطہ تحریر میں لایا ہے جو کہ



آپ کی آخری تصنیف ہے۔ اس میں آپ نے جماعت پیر برادران کے حالات و مقامات درج فرمائے ہیں اور کچھ برگزیدہ مشائخ کا حال بھی لکھا ہے۔ یہ گرانمایہ تذکرہ حضرت مخدوم شیخ بابا محمد علی رینیہؒ برادر اکبر حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ کے قلم گوہر نشاں سے کتابت میں آیا ہے۔ اس کا نام رسالہ کمال نامہ انخوان ہے۔ یہ حضرت موصوفؒ کی آخری تصنیف ہے۔ جیسا کہ حضرت موصوفؒ اپنے گرانمایہ تذکرہ تذکرۃ العارفین میں فرماتے ہیں:

”رسالہ کمال نامہ انخوان کہ تصنیف آخر حضرت شیخ داؤد خاکیؒ

بود درآں حالات و مقامات جماعہ مخصوصہ از پیر برادران و قلمے

از مشائخ دیگر و ارقام آں را فقیر واسطہ است۔“

اس گرانمایہ تصنیف میں پہلے پہل حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰ کا ذکر خیر ہوگا کیونکہ یہ حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ کے اولین خلیفہ تھے۔ آہ! اس انمول خزانے کا یہاں کہیں نام و نشان نہیں ہے۔

اب رہے بلند مرتبت ولی کامل حضرت بابا نصیبؒ، آپ حضرت شیخ خاکیؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ نے حضرت مخدومؒ کا زمانہ اپنے بچپن میں پایا ہے، شغوریت کے عالم میں نہیں۔ آپ نے اپنی گراں قدر تصنیف ”نورنامہ“ میں حضرت محبوب العالمؒ کے برادر اکبر حضرت مخدوم شیخ بابا محمد علی رینیہؒ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ حالانکہ انہوں نے ہی آستان سلطانیہ کی نوبتداری میں ان کی اولاد کی تقسیم کاری عمل میں لائی ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ شیخ مخدوم محمد علی رینیہؒ خود صاحب تصنیف ولی کامل تھے۔ آپ کا روضہ عالیہ تجرب شریف پر گنہ زنیہ گیر میں ہے۔

لے مخطوط تذکرۃ العارفین ص ۳۰۹ ریسرچ لائبریری یونیورسٹی کیمپس سرنیکر

اگر حضرت موصوف بابا نصیب غازیؒ نے اپنے گرانقدر تذکرے "نورنامہ" میں ستائیس بار حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰؒ کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے آپ کا نام صرف بابا حیدر کے نام سے لیا ہے اور اس کے سابقے اور لاحقے میں میر کہیں نہیں لایا ہے، تو یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ شاد صاحب تذکرۃ نورنامہ کے حوالے سے واضح کریں کہ حضرت بابا نصیب الدینؒ غازی نے حضرت میر موصوف کی سیادت سے کن سطروں میں انکار کیا ہے۔

بقول شاد صاحب

"اب رہے مورخین جیسے اعظمی، حسن اور کبیر وغیرہ جنہوں نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ حیدر بابائے تیلہ مولیٰؒ نسباً سید نہیں تھے۔"

ان بزرگ فاضل مورخین کی ظاہر کی گئی ایسی بات کو مصدقہ دلائل سے بندہ احقر نے تردید کی ہے۔ بندہ احقر کو ان کا بہت احترام ہے کیونکہ انہوں نے اپنی اپنی تاریخیں لکھ کر اپنے ملک اور قوم کی بے انتہا خدمت کی ہے۔ اگر کسی کسی جگہ بُری طرح پھسل بھی گئے ہیں یا انہوں نے ایسے واقعات بھی لکھے ہیں جو حقیقت پر مبنی نہیں ہیں۔

یہ فاضل مورخ دیدہ مری صاحب ہی ہیں جنہوں نے پہلے پہل ایسا اظہار کیا ہے کہ :

"شیخ حیدر لاری جو کہ عوام میں میر حیدرؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ لیکن بابا داؤد مشکوٰتیؒ جن کو اس طبقہ کے قریبی زمانے سے تعلق ہے نے بھی اپنی کتاب "اسرار الابرار" میں آپ کی



سیادت کا اظہار نہیں کیا ہے۔ اپنے پیرانِ بزرگ سے متعلق ان کے بہت سے نسخے ہیں کہ بعض لوگ ان کو کمال اعتقاد و افراق اور مبالغہ تصور کرتے ہیں۔“

واضح رہے کہ حضرت بابا داؤد مشکوٰتیؒ، حضرت محبوب العالمؒ کے زمانے کے فرد نہیں تھے۔ ان کی کتاب ”اسرار الابرار“ حضرت شیخ خاکیؒ کی دستورالسا لکین کا چرہ ہے۔ ان کو حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰؒ سے متعلق واقفیت کہاں ہوتی۔ یہیں تو برگزیدہ خلفائے محبوب العالمؒ کی لکھی ہوئی باتوں پر زیادہ اعتبار کرنا لازمی ہے۔ ان گراں مایہ تصانیف کا مطالعہ خود حضرت شیخ حمزہؒ نے کیا ہے۔ ان گراں مایہ تذکروں میں نمایاں طور پر آپ حضرت میر حیدرؒ کے نام مبارک سے موسوم کئے گئے ہیں۔ جبکہ جبکہ آپ کی سیادت کا اعتراف کیا گیا ہے۔ حضرت بابا داؤد مشکوٰتیؒ بھی اپنی کتاب میں ایک جگہ اس طرح لکھتے ہیں کہ:

”حضرت میر بابا حیدرؒ حضرت محبوب العالمؒ کے مرید خاص صاحب کشف و کرامات اور ظاہر و باطن کے مرد کار تھے۔ نذر و نیاز اور ہدیہ نہیں پکڑتے تھے بلکہ اپنی محنت و مشقت سے کما کر زندگی گزارتے تھے۔“

حضرت بابا داؤد مشکوٰتیؒ نے صاف طور پر ان سطور میں حضرت میر بابا حیدرؒ حضرت محبوب العالمؒ کے مرید خاص الیٰ اخیر لکھ کر حضرت موصوف کو تسلیم کیا ہے۔ خود موصوف دیدہ مری صاحب لکھتے ہیں:

”شیخ حیدر لاری جو کہ عوام میں میر حیدر کے نام سے مشہور ہیں۔“  
 جب خود برگفت موصوف دیدہ مری صاحب عوام نے آپ کو سید تسلیم کیا ہے تو حضرت  
 بابا داؤد مشکوٰتیؒ اور دیدہ مری جیسے مؤرخین کا آپ کو سید نہ مانا کیا اہمیت رکھتا ہے۔  
 خود اعظم صاحب جیسے مؤرخ کے مرشدِ کامل ملا محمد مراد نقشبندی عرف طنک  
 اپنی گرانمایہ تاریخ کشمیر ”مائیکرو فلم“ میں حضرت محبوب العالمؒ کے برگزیدہ خلفاء  
 کے اسماء گرامی اس طرح بیان کرتے ہیں :

جناب بابا داؤد خاکیؒ، جناب شیخ بابا محمد علی رینہ تجربیؒ برادر  
 گرامی حضرت مخدومؒ، ملا شیخ احمد چاگلی، شیخ میر حیدر تیلہ مولیٰؒ  
 خواجہ اسحق قاریؒ، خواجہ حسن قاریؒ، خواجہ میرم برزاقؒ، روپوشیؒ  
 دیکھئے اس شمارے میں ملا موصوف نقشبندی نے کس طرح حیدر تیلہ مولیٰؒ کے  
 سابقے میں میر لکھا ہے۔

شاد صاحب جیسے دیگر محققین نے درج بالا اس گراں قدر تاریخ کا مطالعہ  
 کئے بغیر ہی حضرت محبوب العالمؒ کے برگزیدہ خلیفہ حضرت خواجہ حسن قاریؒ کی طرف  
 منسوب کیا ہے جو کہ بالکل غلط ہے۔ حضرت خواجہ موصوف عظیم وقائع نویس  
 گزرے ہیں مگر بد قسمتی سے ان کی یہ گراں قدر تاریخ یہاں نایاب ہے۔  
 اسی زمانے کے ایک فاضل مؤرخ اپنی موقر تاریخ ”خوارق السالکین“ میں  
 ایک جگہ عبارت اس طرح لکھتے ہیں :

”حضرت بابا محمد علی رینہؒ سلطان الاولیاء مخدوم شیخ حمزہؒ  
 کے بھائی تھے۔ خلعت ارشاد اور سند خرقہ مرشد اکبر حضرت سید

اے مائیکرو فلم ص ۵۲ ریسرچ لائبریری، یونیورسٹی کیمپس سرینگر



حیدر تیلہ مولیٰ سے حاصل کر کے رہے۔

دیکھئے فاضل مورخ موصوف نے کس طرح حضرت موصوف کا نام مبارک مرشدِ اکبر حضرت سید حیدر تیلہ مولیٰ لکھا ہے۔

فاضل مورخ حسن اپنی تاریخ کشمیر جلد سوم "اسرار الانبیاء" باب سادات صفحہ ۵۸ میں اس طرح رقمطراز ہیں :

"میر بابا حیدر — اپنی تصنیف کی ہوئی کتاب "ہدایت المخلصین"

میں انہوں نے لکھا ہے کہ میں سید ہوں اور گجرات سے آیا ہوں لیکن

دوسرے مورخ مثلاً مصنف "اسرار الابرار" وغیرہ نے ان کی سیادت

کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے۔ حضرت میر حضرت سلطان العارفین

مخدوم شیخ حمزہ کے خلیفوں میں سے تھے۔"

حسن جیسے مورخ سے پوچھا جاسکتا ہے کہ جب بقول ان کے دوسرے فاضل مؤرخین

نے ان کی سیادت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے تو انہوں نے از خود کس طرح

"باب سادات" میں حضرت موصوف کو جگہ دی ہے۔ ان کا ذکر خیر اس طرح کیا ہے۔

"میر حیدر" یہ ہیڈنگ ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ

"حضرت میر حضرت سلطان العارفین مخدوم شیخ حمزہ کے

خلیفوں میں سے تھے۔"

کیا ان درج بالا سطور سے ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ حسن نے حضرت میر کی

سیادت تسلیم کی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میر موصوف کی گرانمایہ تصنیف "ہدایت المخلصین"

سے متعلق ایک من گھڑت کہانی تصنیف کی ہے جس کا ذکر آئندہ آنے والے صفحات

لے مخطوط تاریخ خوارق الساکین ص ۱۸۴ ریسرچ لائبریری سرینگر

میں آئے گا۔

تیس فاضل مورخ جیسے کبیری "جنہوں نے بقول شاد صاحب حضرت میر کی سیادت سے انکار کیا ہے۔ فاضل مورخ کبیری اپنی تاریخ "تحائف الابرار" صفحہ ۵۴ میں رقمطراز ہیں :

"میر حیدر لاری آنجناب کتاب مصنفہ خود "ہدایت المخلصین" کہ در حالات شریف پیر بزرگوار خود تصنیف فرمودہ اند در اں نے نویسنده کہ من سیدم از گجرات آمدہ ام۔ فقط سیادت حضرت میر کے از مورخان کشمیر بجز مؤلف خوارق السالکین" و صاحب وحیہ التواریخ سخر شتہ است۔ و حضرت میر از مریدان خاص بہ اختصاص حضرت محبوب العالم است۔ آورده اند کہ روزے محلہ در خدمت میر آمد۔"

قارئین دیکھ لیں کہ اس ساری مسطورہ عبارت میں فاضل مورخ مذکور نے حضرت موصوف کا نام مبارک "میر" سے شروع کیا ہے۔ اگر بقول شاد صاحب فاضل مورخ مسطور نے حضرت موصوف کی سیادت تسلیم نہیں کی ہے تو اپنی عبارت میں پھر "میر" کی رٹ کیوں لگاتی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ فاضل مورخ کبیری موصوف نے حضرت میر موصوف کی سیادت مان لی ہے۔ فاضل مورخین اور مرشد کامل حضرت مخدوم شیخ حمزہ کے خلفاء مذکورہ نگاروں نے حضرت موصوف کا نام مبارک جبکہ جبکہ حضرت میر حیدر" یا حضرت سید حیدر لکھا ہے۔ یہاں تک کہ مرشد کامل حضرت موصوف کو میر نام سے ہی پکارتے تھے۔

شاد صاحب کو حضرت میر حیدر موصوف کی ہی سیادت پر کیوں تنقیدی نظر



ڈالنی پڑی ہے۔ جبکہ یہاں سادات کے بے شمار خاندان ہیں۔ ان خاندانوں کا یہاں کن مستند تاریخوں اور تذکروں میں ذکر ہے ؟

شاد صاحب سے عرض ہے کہ ہمیں اس مستند تاریخ کا حوالہ دیں جس میں حضرت میر بابا حیدر تیلہ مولیٰؒ کی سیادت کا انکار خود ان کی اپنی بے بنیاد عبارت ”ہدایت المخلصین“ جو بلا خوفِ رب قہار کسی ملا بابا نے حیدر بابا تیلہ مولیٰؒ سے منسوب کی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ حیدر بابا کو ”میر“ بنا کے سادات میں شامل کر کے خود بھی سید بن جائے کی طرح کیا گیا ہے۔

ہم نے مستند تاریخوں اور تذکروں کے حوالوں سے ثابت کر کے دکھایا ہے کہ حضرت موصوف میر بابا حیدر تیلہ مولیٰؒ سید تھے۔ مزید برآں شاد صاحب رقمطراز ہیں:

”میر صاحب موصوف کی گراں مایہ کتاب ”ہدایت المخلصین“

ایک غیر مستند..... اور بے سروپا کہانیوں کا پشتا ہے۔“

فقہ پڑھ کر معلوم نہیں ہوتا ہے کہ شاد صاحب نے کس بنا پر ایسا اظہار کیا ہے۔ جبکہ ہم چاہتے ہیں کہ اس میں مرشدِ کامل حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ آپ کے برگزیدہ خلفاء اور دیگر مشائخین کے واقعات، خرقہ عادات اور روحانی کمالات کا ذکر خیر ہے۔ اسی طرح باقی خلفائے مرشدِ کاملؒ کی گراں مایہ تصانیف میں بھی ذکر و افکار، مراقبات، خرقہ عادات اور روحانی کمالات کا تذکرہ ہے۔

شاد صاحب کے حسن جیسے مورخ کے بقول بابت حصولِ وراثتِ جعلی ”ہدایت المخلصین“ لکھوانے والے مذکورہ رینہ خاندان کا بندہ احقر نے پورا خاکہ اپنی طرف سے پیش کیا ہے، جانا میجانا خاندان ہے۔ اب بندہ احقر کا موصوف شاد صاحب

سے حقیر مطالبہ ہے کہ جو صاحب بقول اُن کے یہ غیر مُستند اور پُر از خرافات تذکرہ  
 ”ہدایت المخلصین“ لکھ کر حضرت حمید ربابا تیلہ مولیٰ کو سید بنا کر خود سید بنا ہے،  
 کون ہے؟ اپنے آپ کو سید بنانے کے لئے محنت و مشقت کر کے بقول شاد صاحب  
 غیر مُستند اور پُر از خرافات تذکرہ ”ہدایت المخلصین“ ترتیب دیکر کہاں ہے۔ اس  
 کا یہ نیا بنا ہوا خاندان کس جگہ پر آباد ہے کہ جس طرح سیدوں کے مختلف خاندانوں  
 کے ساتھ ساتھ قادری - گیلانی - اندرابی - ہمدانی - کرمانی - چشتی - بیہقی وغیرہ  
 لاحقہ ہیں۔ بقول شاد صاحب اس نئے سید بننے والے کا خاندان کس لاحقہ  
 سے مشہور و معروف ہے۔ ہم نے اس سید کو لاحقہ کے بغیر پانے کی بہت کوشش  
 کی مگر ناکام ہوئے۔

شاد صاحب کو چاہیے کہ اپنی گہری تحقیقاتی نظر سے اپنے بنائے ہوئے اس  
 سید کو اور اس کے مشہور و معروف خاندان کو منصفانہ شہود پر لائیں کہ اس طرح  
 موصوف کا یہ زریں تحقیقی کارنامہ دیدہ مری اور حسن کی طرح کشمیری تاریخ کا  
 بے بہا حوالہ ہو کر رہے گا۔





# بابا شیخ محمد اشرف فتحگلی

نگارم اگر جود و الطاف اُو

نکجی بعد دفتر اوصاف اُو

سرزمین کشمیر میں جامع السلاسل حضرت اشرف الاولیاء بابا شیخ محمد اشرف صاحب فتحگلی رحمۃ اللہ علیہ نے اولیاء متاخرین میں جو رتبہ اور کمال حاصل کیا اسکی نظیر تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مختلف سلاسل طریقت میں آپ نے جو اتحاد نظریات مرتبہ احسان و سلوک قائم کیا اُس سے آپ خود بانی سلسلہ عالیہ اشرفیہ قرار پائے۔ آپ کے بعد آپ کے احفاد سلسلہ میں حضرت قطب الاقطاب جناب شیخ احمد تارہ بلی رحمۃ اللہ نے سلسلہ اشرفیہ (جو دراصل خلاصۃ السلاسل ہے) کی جو آبیاری کی اسکی مثال بھی تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی جب کسی علمی و روحانی مجلس میں جب ان دو حضرات کا ذکر خیر ہوتا ہے تو مجلس کا رنگ ہی بدل جاتا ہے اہل علم و عرفان ان حضرات کے تذکرہ سے جھومنے لگتے ہیں۔

رموزِ سخندانِ خواصِ بحرِ معانی مؤرخِ اثانی حضرت علامہ شیخ ملا بہا الدین  
متو کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”سلطانی“ میں آپ کا ذکر خیر ان معنی خیز  
اشعار سے شروع کرتے ہیں۔

یادگارے ز صوفیانِ سلف در کراماتِ شیخ دین اشرف  
ہمچو خورشید شد بنورِ جلی شیخ دین اشرف فتح کلی  
۔ (سلطانی ص ۱)

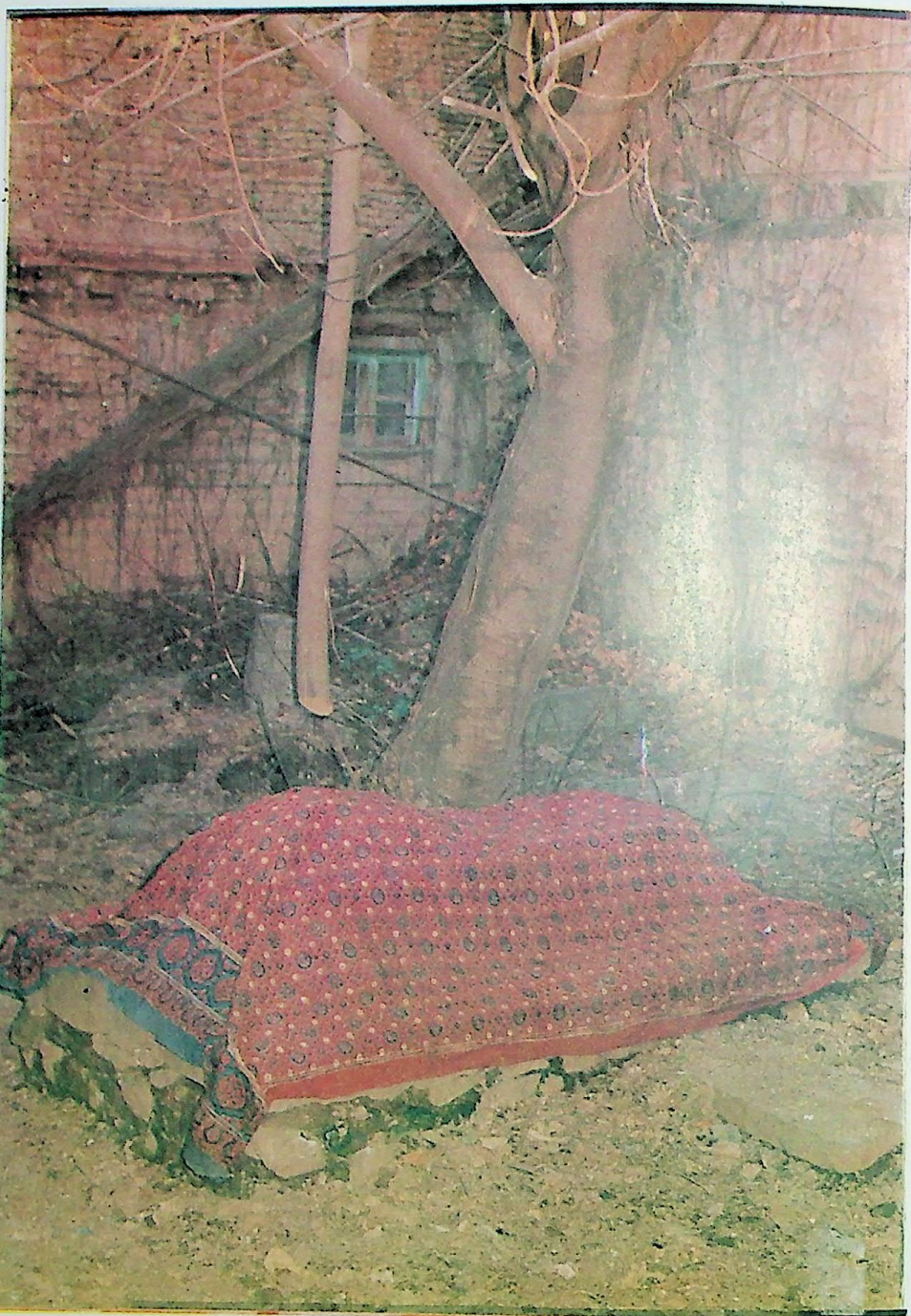
اور خاتم الاولیاء حضرت مرشدِ برحق جناب شیخ احمد تارہ بلی رحمۃ اللہ علیہ نے  
اپنی تصنیف ”افضل الطریق“ میں آپ کو ان بلند پایہ القاب و خطابات سے یاد  
کیا ہے :-

”شیخنا و سندا و مولانا قدوة الواصلین امام ارباب  
الیقین اکسیر الحیوة محی القلوب و منقذہا من المہات  
فضا العارفین نور بصر المحققین کلید کنج فاحیبت  
ان اعمساف حضرت بابا مہمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ  
ملاحظہ ہو ”افضل الطریق“ (قلمی)

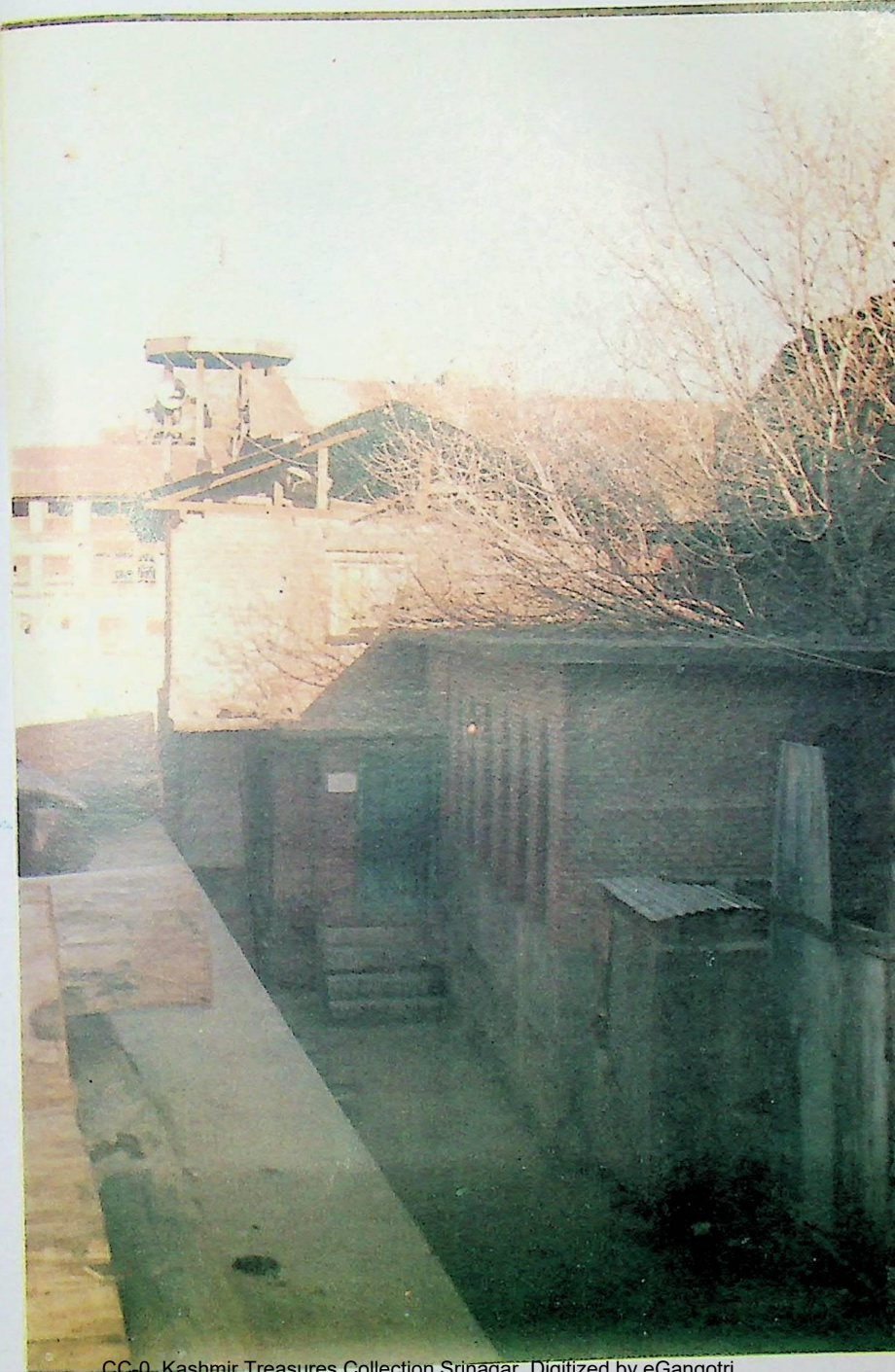
اور حضرت شیخ احمد ثانی تارہ بلی رحمۃ اللہ علیہ نے معمولاتِ اشرفیہ میں آپ کا ذکر خیر  
ان القاب سے شروع کیا ہے۔ ”حضرت سیدنا و سندا و مولانا قطب الاقطاب فردا افراد  
غوث الاعواث امام الاولیاء حضرت بابا خواجہ محمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ“  
۔ معمولاتِ اشرفیہ (قلمی)

حضرت بابا شیخ محمد اشرف صاحب علیہ الرحمۃ ریاست کے مشہور علمی و روحانی خاندان  
یعنی ”صدیقی خاندان“ کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ شہاب الدین  
سہروردی رضی اللہ عنہ سے ہوتا ہے حضرت قطب الاقطاب شیخ احمد تارہ بلی علیہ الرحمۃ









CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نئے مبارک حضرت بابا شیخ محمد اشرف فتح کدلی (تصویر شکر یہ: شوکت حسین کینگ)



کے برادرِ اصغر مہر شہ نامدار عالم ربانی حضرت شیخ محمد صاحب نادرہ بلی رحمۃ اللہ علیہ نے معارفِ اشرفیہ (قلمی) میں آپ کا سلسلہ نسب یوں تحریر فرمایا ہے۔

”شیخ المشائخین سید الواصلین حضرت بابا خواجہ محمد اشرف صاحب ابن شیخ بابا محمد رضا ابن شیخ محمد عنایت اللہ ابن شیخ محمد خلیل اللہ ابن شیخ محمد یعقوب ابن شیخ عبد اللہ صاحب ابن شیخ یوسف ابن شیخ حسن ابن رحمت اللہ ابن محمود ابن تاج الدین ابن برہان الدین ابن نصیر الدین ابن حضرت شیخ الشیوخ غوث الثقلین حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

• — ملاحظہ ہو معارفِ اشرفیہ (قلمی)

واضح رہے کہ آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی بانی سلسلہ سہروردی حضرت امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے احفاد و اولاد سے تھے۔

بدقسمتی سے گزشتہ تین صدیوں سے یہاں روایت چلی ہے جیسا کہ تاریخ کشمیر کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ سلسلہ نسب پرکار و بار کی نسبت غالباً ہستی ہے جس سے بڑے بڑے سادات اور مشائخ کے خاندان پردہ اخفاء میں چلے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ خود حضرت شیخ محمد اشرف صاحب کے اہل خاندان اور اسلاف کے اسماء گرامی کے ساتھ ”ٹوپیکرو“ لکھا گیا کیونکہ اس خاندانِ عالیشان کے اکثر اصحاب کسبِ حلال کرتے تھے یعنی کتابتِ قرآن اور ٹوپیاں سیتے تھے جس کو گاہ دوزی کہتے ہیں۔ یہ کبارِ اولیاء کرام و سلاطین اسلام کا پیشہ رہا ہے۔ لہذا خاندان صدیقی بھی کشمیر میں ٹوپیکرو خاندان کے نام سے معروف ہوا۔ بعد میں عصرِ حاضر میں اس خاندان کے سپہست سرکردہ عالم و دانشور جناب علامہ پروفیسر محمد طیب صاحب صدیقی نے پہلی دفعہ صدیقی کی نسبتِ نسبی تحریر کی اور میں نے خود مشائخ کرام

کے قلمی نسخجات میں حضرت شیخ محمد اشرف صاحب اور ان کے احفاد نے اسماء کے ساتھ یہی عرف تحریراً ملاحظہ کیلئے۔ تمام مؤرخ اس بات پر متفق ہیں کہ آپ مادرِ نادولی تھے اور ابتداء سے ہی پیکرِ زہد و تقویٰ تھے۔

بالائے سرش زہوشمندی

مے تافت ستارہٴ بلندِ دی

جناب مولانا قاری محمد حسن صاحب کبروی کا ڈیاری اپنی مشہور تصنیف ”تحفۂ اشرفیہ“ (جو آپ نے حضرت شیخ محمد اشرف صاحب اور آپ کے مشائخ کرام اور خلفاء کرام کے حالات میں تحریر کی ہے) لکھتے ہیں — !  
 ”صاحب مقاماتِ عالیہ و حالاتِ جلیہ است در علم و عمل یکتا و در مجاہدات و ریاضات فرد بے ہمتا بود۔“

• — تحفۂ اشرفیہ ص ۳۴۔

یعنی (آپ بلند مقامات و حالات کے حامل اور علم و عمل اور مجاہدات و ریاضات میں فرد بے نظیر تھے)۔

زاہل ورع و زاہل تقویٰ بود

پای تافرقِ عینِ معنی بود

تصحیح حال اور بقاءِ رشد و ہدایت کے لئے سلسلہ عالیہ کبرویہ کے علمبردار حضرت خواجہ عبدالغنی لکڑہتہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۳۱ھ جمادی الاول ۱۰۷۱ھ مدفن فتح کدل) کا دامن ارادت کھام لیا اور بقولِ مؤرخ کشمیر پیر حسن شاہ صاحب کھوسپائی مرحوم ان کی مہربانی سے کھوڑے ہی زمانے میں ”اطول سبعہ“ اور ”اسیار سبعہ“ طے کر کے سلسلہ عالیہ قادریہ و کبرویہ میں خطِ ارشاد حاصل کر کے شیخِ وقت قرار پائے اگرچہ آپ کا خاندانی سلسلہ سہروردی تھا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے



کہ حضرت خواجہ عبدالغنی صاحب لکھنؤ رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ محمد ہاشم پوریؒ  
(المتوفی ۳۱ ماہ شعبان المعظم ۱۰۵۵ھ مدفون گوجارہ) کے خلیفہ خاص تھے۔  
خواجہ ہاشم حضرت مہدی علی کبروی المعروف بطک پوری کے مرید اور خلیفہ تھے  
اور خود حضرت مہدی علی حضرت عارف باللہ خواجہ حبیب اللہ صاحب  
نوشہری رحمۃ اللہ علیہ کے برگزیدہ خلفاء میں سے تھے۔ تاریخ میں یہ بھی مذکور  
ہے کہ حضرت خواجہ عبدالغنی لکھنؤ علیہ الرحمہ سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت صوفی عبدالرزاق  
نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص تھے۔

تاریخ حسن میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت شیخ محمد اشرف صاحب نے حضرت  
خواجہ لکھنؤ کی اجازت قبل از وقت سمجھ کر کچھ مدت کے لئے اپنی جگہ قیام فرمایا۔ جناب  
خواجہ کو اس بات کا پتہ چلا تو ان کے قلب مبارک کو ٹھیس لگ گئی حضرت اشرف  
صاحب ہمیں ارہو کر قریب المرگ ہوئے ان کو شک گزرا کہ بیماری کا سبب  
خواجہ صاحب کی ناراضگی ہے حضرت محبوب العالمؒ کی جانب رجوع کیا حضرت  
محبوب العالمؒ کی باطنی مداخلت سے خواجہ صاحب نے اشرف صاحب کو  
معاف کیا۔ اس واقعہ کے بعد اشرف صاحب کثرت سے حضرت محبوب العالمؒ  
کے آستانہ مبارک پر حاضری دینے لگے۔

یافتہ ہر کس بقدر ہمت ازوے ہر چہ جست

قبلہ حاجات اگر مے خوانمش احد رشدہ است

بعد میں حضرت محبوب العالمؒ کے ارشاد باطنی پر حضرت میر محمود پانیپوریؒ ہر وردیؒ  
سے بیعت ہوئے۔ حضرت میر محمود پانیپوریؒ اس وقت سلسلہ ہر وردی کے شیخ المشائخ  
تھے۔ ملا بہاؤ الدین صاحب متوفی ماتے ہیں۔

مہربانہ ز مطلع نور  
 میر محمود سرزداز پانیور  
 عارفی از ہمہ یگانہ چو او  
 دیر تادیدہ در زمانہ چو او  
 بود یکتا بعلم و دانائی  
 میلش افتاد در شنائی

• — "سلطانی" مطبوعہ ص ۱۰۱۔

صاحب تحفہ اشرفیہ لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ عبدالغنی لنگر کے بعد  
 بر بنیاء علو استعداد حضرت شیخ عبدالشکور گنائی علیہ الرحمۃ اور حضرت حافظ ابراہیم فتحگدلی  
 کی تعلیمات روحانی سے بہرہ ور ہوئے اور ہر دو حضرات سے خلافت پائی۔ اختتام پر  
 حضرت میر محمود پانیوری کی خدمت اقدس میں باجائز حضرت سلطان العارفین شیخ  
 حمزہ مخدوم مظہر علی گئے، خلافت پائی اور حضرت مولانا ابوالفتح پنڈت خلیفہ حضرت  
 میاں محمد امین دار سے سلسلہ نقشبندیہ میں سرفراز ہوئے۔

بہر حال تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت شیخ محمد اشرف صاحب نے  
 برگزیدگان عصر سے اکتساب علوم ظاہری و باطنی کیا اور باوجود استعداد ازل وابدی  
 کسی بھی مرشد سے مستفید ہونے میں ہتک نہیں سمجھا۔

چچ کہ ذوق طلب از جستجو باز م نہ داشت  
 دانہ مے چیدم دران روزے کہ خرمن داشت

علوم ظاہری میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا اُس کا اندازہ اس واقعہ سے  
 ہوتا ہے کہ ایک دفعہ آپ کے معاصرین نے آپ سے درسِ مشنوی مولانا رومؒ  
 کی التماس کی برابر تین روز تک آپ صرف مشنوی شریف کے پہلے شعر



بشنواز نے چون حکایت مے کند

از جدائی ہاشکایت مے کند

کے بحث میں مشغول رہے۔ فرمایا کہ یہ شعر ہنوز تشریح طلب ہے۔ اور درسِ مثنوی معنوی اسی کو کہتے ہیں ورنہ ہم سب عام مضامین کے فہم و تفہیم میں برابر ہیں۔ صاحبِ تحفہ اشرفیہ نے تفصیل سے یہ واقعہ درج فرمایا ہے۔!

علوم معقولات و منقولات کا اکتساب آپ نے ابتدائیں حضرت اخوند ملا بابا بقای شاہ آبادیؒ سے فرمایا موصوف استادِ زمان تھے اور مذکورہ علوم کی تکمیل حضرت بحر العلوم شیخ محمد یحییٰ رفیقیؒ (المتوفی ۱۹ ذی قعدہ ۱۱۸۵ھ مدفن درگاہ حضرت طاہرؒ) سے کی۔

جس زمانے آپ نے حضرت شیخ محمد یحییٰ رفیقی علیہ الرحمۃ سے بخاری شریف کا درس لینا شروع کیا۔ اُس وقت آپ علوم باطنی اور مقاماتِ روحانی میں فنا فی الرسولؐ کے مرتبہ پر تھے صاحبِ تحفہ اشرفیہ لکھتے ہیں کہ اختتامِ ختم بخاری پر آپ نے برملا فرمایا ہے کہ ”قبل بریں مرا بہ تعلیم پیرانِ خود مقامِ فنا فی الرسولؐ حاصل شدہ بود الحمد للہ! این وقت تکمیل آں دو چیز حاصل گشت“ یعنی اس سے قبل مجھے فنا فی الرسولؐ کا مقام پیرانِ طریقت کی بدولت حاصل ہوا تھا الحمد للہ اب اسکی پوری تکمیل ہو گئی۔

حضرت شیخ محمد اشرف صاحبؒ یہ ارشادِ گرامی قدر آج کل کے اُن مدعیانِ طریقت کے لئے باعثِ تنبیہ ہے جو طریقت کے نام پر علومِ شریعت اور شریعت کا تمسخر اڑاتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ آپ جامع السلاسل تھے مگر سلسلہ عالیہ اشرفیہ کی تاسیس اپنے اس طریقے پر فرمائی کہ گویا یہ سلسلہ نقشبندیہ کا دوسرا نام تھا۔

جس میں معرفت حقائق کے باوجود شریعت کے بغیر اور کسی چیز کی بالادستی نہیں  
 تھی۔ چنانچہ آپ کے بعد آپ کے خلفاء کرام حضرت شیخ نعمت اللہ صاحب  
 (فرزند اکبر المتوفی ۱۱۶۷ھ ذی الحجہ ۱۲۲۵ھ دفن فتح مدل) حضرت مرشد عجم سید مولانا  
 شیخ اکبر ہادی تارہ بلبی (المتوفی ۱۱۷۷ھ ربیع الاول ۱۲۳۳ھ دفن مزار سادات پارسیہ)  
 حضرت بابا آیت اللہ (۱۱۸۷ھ شوال ۱۲۹۸ھ) حضرت شیخ محمد عباد اللہ قاری (وفات  
 ۱۲۱۱ھ شعبان ۱۲۲۲ھ) وغیرہم نے اس سلسلہ عالیہ کی جو ترویج کی وہ خالص کتاب و سنت  
 پر مبنی اور قطب الاقطاب حضرت شیخ احمد تارہ بلبی کے بتدریدی کارناموں نے اسکو  
 جلا بخشی۔

حضرت شیخ محمد اشرفؒ اپنے قیمتی اوقات اطاعتِ الہی و اطاعتِ رسولؐ  
 اور اعمالِ شریعت و طریقت میں بسر فرماتے تھے۔ ساتھ ساتھ مطالعہ کتب توحید  
 وحدیث و تصوف میں اپنے معاصرین سے سبقت لے گئے تھے اور اکثر اوقات  
 مطالعہ کتب میں گزارتے تھے چنانچہ صاحب تحفہ اشرفیہ لکھتے ہیں کہ

”اوقات عزیز خود ہمیشہ در اشغال و اعمالِ شریعت و طریقت و مطالعہ  
 کتب توحید و حدیث و تصوف بسر می بردند و در حالت مطالعہ اکثر حالات  
 وجد و حال از آنجناب روئی نمود و چون از بیان معارف و حقائق  
 در فتنائی کردند ہمہ حاضران مجلس از خود بے خود می شدند۔“

عبادتِ بالاکے آخر پر موصوف لکھتے ہیں کہ جب آنجناب حقائق اور معارف  
 کے بیان میں زبان کھولتے تھے تو سننے والے بیخود ہو جاتے۔ کیونکہ خود آنجناب  
 پر دورانِ مطالعہ اکثر بار وجد و حال کی نشانیاں ظاہر ہوتی تھیں۔

ان تمام شرعی اوصاف سے متصف ہونے کے ساتھ آپ انسانِ عظیم تھے  
 انسانیت بھائی چارہ، رواداری کے علمبردار تھے۔ کشمیر جو صدیوں انسانی اقدار کا گہوارہ



رہا وہ انہی خدا شناس شخصیات کی بدولت سرچشمہ انسانیت و اخلاق رہا۔ شریعت کے نام کسی بھی فرد یا قوم و فرقہ کی دل آزاری کبھی نہیں کی۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ حضرت شیخ محمد اشرف صاحب کے متعلق درج ہے کہ بایں جاہ جلال اکتساب فیض سے آپ نے کبھی اعراض نہیں فرمایا فرماتے تھے کہ آٹھ برس کی عمر سے اس وقت تک ایک لمحہ کے لئے بھی ان دو باتوں سے غافل نہ رہا "طالب مقصود اور واصل مقصود" اس چیز نے آنجناب کو دنیوی اغراض کیا بلکہ روحانی اغراض سے تارخ حسن میں مرقوم ہے کہ ایک دن آپ فتح کرل گھاٹ پر وضو کرتے تھے حضرت خضر علیہ السلام نے ملاقات سے نواز کر آپ کو مطلع کیا کہ حضرت میر سید عبدالرشید بیہقی معروف بہ قطب العالم کو افشا راز کے پاداش میں باطنی طور مقام قطبیت سے سبکدوش کر دیا گیا اور آپ قطبیت کے مقام پر فائز کر دیئے گئے۔ حضرت شیخ محمد اشرف صاحب جواباً فرمایا اگر واقعی میں نے مقام قطبیت کی لیاقت پیدا کی ہے کچھ میری دعا قبول ہوگی۔ اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کی "یا الہی میری بیہقی کی لغزش اپنی مہربانی سے معاف کر اور قطبیت کا خلعت انہیں پھر پہنا دے۔ روایت ہے کہ حضرت شیخ کی دعا قبول ہو گئی اور حضرت میر بیہقی کو پھر قطبیت کا مقام عطا کیا گیا۔

تمام معاصرین نے بڑا آپ کے مقامات عالیہ اور مرتبت کا اعتراف کیا۔ بڑے بڑے معاصر اولیاء جب رات کو مشغول گریہ ہوتے تھے تو استفسارِ مہربان پر فرماتے تھے کہ اے کاش ہم کو ایک سانس حضرت شیخ محمد اشرف کی ایک سانس سے مثل نصیب ہو جائے۔

تاریخ حسن میں مرقوم ہے کہ حضرت کے معاصر بزرگانِ دین فرماتے تھے کہ خود حضرت شیخ محمد اشرف نے اپنی آنکھوں اپنا مثال کسی کو نہ پایا۔

پیر حسن شاہ صاحب کھو بہا می اور صاحب تحفہ اشرفیہ نے آپ کے جو روحانی  
س نقل کئے ہیں وہ شرعی قیود کی وجہ سے "سطحیات" کے حکم میں داخل ہیں  
لہذا ہم انہیں نقل کرنے سے معذور ہیں۔

"اپ اپنی بیاضوں پر اپنے دستخط سے احادیث اقوال سلف اور عجیب  
روحانی مضامین کے حامل اشعار نقل فرماتے تھے۔ مثلاً

مسلمان گر شدے آگہ کہ بت چیت ؟

بدانتے کہ دین در ب پرستی است

اگر مشرک ز بت آگاہ گشتے

چرا در دین خود گمراہ گشتے

حضرت شیخ کی ان پر معارف بیاضوں کے چند نسخہ جات کتب خانہ حضرات  
مشائخ تارہ بل (لوا کدل) کے ہاں موجود ہیں۔ حضرت نے اگرچہ سلسلہ معالیہ اشرفیہ  
جو شریعت و طریقت کا سنگم تھا اور تمام سلاسل کا حسین امتزاج تھا تشکیل دیا مگر  
پھر بھی سلسلہ عالیہ سہروردیہ کا غلبہ آپ کی ذات اور آپ کے مبارک سلسلہ میں  
غالب اور نمایاں رہا۔ اسلئے یہ سلسلہ اشرفیہ اشرفیہ سہروردیہ کے نام سے معروف ہے  
بالکل اسی طرح جس طرح حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مبارک سلسلہ کو سلسلہ  
مجددیہ نقشبندیہ یا حضرت بانی اسلام فی الکشمیر جناب شاہ ہمدانیؒ کے سلسلہ پاک کو  
سلسلہ ہمدانیہ کبرویہ کہتے ہیں۔

صاحب تحفہ اشرفیہ حضرت علامہ حافظ محمد حسن صاحب گاڈیاری مرحوم جو  
خود کبروی مشرب تھے نے اسی بنائے پر ملا بہاؤ الدین متوکی سلطانی (جو حضرت  
محبوب العالم اودان کے خلفاً کرام کے حالات پر مشتمل ہے) کے ساتھ تحفہ اشرفیہ  
شائع کی۔ حضرت شیخ محمد اشرف صاحب سے قبل صاحب "بحر العرفان" حضرت



شیخ الاسلام شیخ احمٰل الدین مرزا محمد کامل بیگ خان بدخشی علیہ الرحمۃ نے سلسلہ عالیہ اکملیہ کبرویہ تشکیل دیا تھا جس کی بنیاد سلسلہ کبرویہ کے ساتھ ساتھ دیگر سلاسل کے اشغال و اعمال پر قائم کی گئی اور کشمیر میں تمام اہل تصوف (جو مختلف سلاسل سے وابستہ تھے) نے اس سلسلہ عالیہ کو اپنایا۔

سلسلہ اکملیہ کے بعد سلسلہ اشرفیہ وجود میں آیا اسکے بعد کسی بھی بزرگ نے کوئی نیا سلسلہ قائم کرنے کی سعی نہیں کی۔ لہذا تاریخ کشمیر میں سلسلہ عالیہ اشرفیہ سہروردیہ خاتم السلاسل ہے۔ یعنی اس سلسلہ کے بعد اور کوئی سلسلہ مدون نہیں ہوا۔ خود قطب الاقطاب حضرت شیخ احمد تارہ بلی جن کے دامن ارادت سے لاکھوں لوگ وابستہ ہوئے اسی مبارک سلسلہ کی ترویج و اشاعت کی۔

ملا بہاء الدین متو نے "سلطانی ٹیں" اگرچہ یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت شیخ اشرف صاحبؒ نے تمام سلاسل کے شیوخ کرام سے اکتساب فیض کیا لیکن یہ سلسلہ حضرت میر محمود پامپوری سہروردی علیہ الرحمۃ کا سلسلہ عالیہ ہے جو آنجناب نے تشکیل دیا ہے

پیش صاحب دلان رسیدہ بسی

صحبت اہل حال دیدہ بسی

روی در قبضہ ذات بود باو

میر محمودؒ رہ نمود بہ او

داد جام شہود از دستش

زان می ناب کرد سرشتش

تا کہ شد عالمی منیر از او

فیض گیر از رہ ضمیر از او

ہمہ یاران او بعلم و عمل

شہرہ و ہجرہ بود از دلش

لیکن مورخ کشمیر پیر حسن شاہ صاحب کھوپیاہی نے ایک اور ہی بات تاریخ میں درج کی ہے کہ حضرت میر محمود پامپوری نے حضرت شیخ محمد اشرف صاحب سے اپنے مقامات عالیہ میں بلیغ ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے منصورِ حلاج کا مقام عطا کر کے کائنات کا کشف بخشدیا تھا لیکن میں اس بہت بڑے عطیہ کے حقوق ادا کرنے سے قاصر رہا۔ آج تک تمہارے اور میرے درمیان پیری و مریدی کا تعلق تھا اس وقت آپ اور میں ایک دوسرے کے برابر اور بھائی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دن آپ نے حالت کشف میں جب حضرت غوث الاعظمؒ حضرت امیر کبیرؒ حضرت نقشبندؒ مشکشاہ بخاریؒ اور حضرت سلطان العارفین شیخ حمزہ مخدومؒ کی آمد آمد کا غلغلہ سنا تو آخر پر حالت کشف میں بعد انتظار میان مخلوق اُس ہجوم میں اپنے آپ کو ہی مشاہدہ فرمایا۔

روا باشد انا بحق از درختے  
چرا بنود روا از نیکے بختے

•۔ (محمود بشتریؒ)

ان واقعات کی مدد سے ہم خود حضرت کے مقامات کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ آخری ایام آجنگا سے کسی ہم عصر نے پوچھا "حضرت اس وقت قطب عالم کون ہے آپ نے جواباً فرمایا ایک شخص ان دنوں انتقال کرے گا تو اسکی نماز جنازہ دو دفعہ پڑھی جائیگی چند دن گزر گئے تو حضرت نے وصال فرمایا۔ خالقہ معلیٰ میں جنازہ نماز ادا کی گئی۔ جب میت قبرستان پہنچی تو لوگوں میں اختلاف ہوا کچھ کہنے لگے کہ نماز جنازہ میں صرف تین ہی تجکیریں پڑھی گئیں کچھ کہنے لگے نہیں پوری چار تجکیریں پڑھی گئیں۔ اختلاف بڑھ گیا اختلاف دور کرنے کیلئے حضرت خلیفہ اکبر مولانا شیخ محمد اکبر ہادی تارہ بلی رحمۃ اللہ علیہ نے قبرستان کے احاطہ میں دوبارہ نماز جنازہ پڑھائی۔



اور جس شخص نے حضرت سے قطب عالم کے بارے میں پوچھا تھا نعرہ لگا کر بے ہوش  
ہوا اور ہوش آنے پر حقیقت بیان کی۔

۴۱۴ ذی الحجۃ الحرام ۹۵ھ کو آپ اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے!  
(انا لله وانا الیہ راجعون)۔ فتح کدل کے مغرب میں حضرت شاہ محمد رفیق قادریؒ  
(خلیفہ حضرت میاں گل محمد کنگال قادریؒ) کی زیارت گاہ کے جوار میں بربل دیا  
اپنے کاشانہ اقدس کے متصل آرام فرما ہیں۔ اشرف خدا جو دارِ شہ کمالِ رسول  
امین اور ذاتِ باکمال سے سال وصال عیاں ہے۔

حضرت بلند پایہ شاعر تھے۔ کلام کا بیشتر حصہ کتب خانہ حضرت تارہ بل  
میں موجود ہے۔ آپ کے مبارک کلام میں ایک نعت شریف اور منقبت حضرت  
محبوب العالم زبانِ زد عام ہے۔ تبرکاً یہاں ہدیہ نعت قارئین کرام کیلئے  
پیش کرتے ہیں یہ

سورۃ واللیل دیدم وصفِ گیسوی شما  
والضحیٰ خواندم سراسر نسخہ روی شما  
پایہ پایہ تابسوئے قابِ قوسین آدم  
چوں نظر کردم بدیدم طاق ابروی شما  
حرف حرف سورۃ یوسف فرو خواندم شبے  
ذرۃ از آفتاب حسنِ دلجویی شما  
آں روایت ہاکہ مے گویند از خلقِ عظیم  
دفتر اخلاق خواندم سر بسر خوبی شما  
بانگِ طہتم فادخلوصا خالدين اندر جهان  
چوں بگوشِ جان شنیدم از سرِ کوی شما

شاه لولاک بر دل غمزه زد معلوم گشت  
 کا دم و عالم طفیل یک س روی شما  
 یا رسول اللہؐ بحاجات آمدم سوی شما  
 آرزو دارم دهم جان در تک و پوی شما  
 یا رسول اللہؐ رخ رخشان سایل برکش  
 سورۃ و الشمس باشد صفحہ روی شما  
 یا رسول اللہؐ بخواه حاجات از ذوا المنہ  
 تا روا سازمہ حاجاتم از روی شما  
 دیدہ ام بسیار در تفسیر ما زاغ البصر  
 شرح چشم مست شور انگیز جادوی شما  
 گرنیا ردیج عذرے گفت در یوم الحساب  
 خاطر اشرف بحمد اللہ ثنا گوئی شما



### منقبت حضرت محبوب العالمؐ

شکر لیلہ رحمت حق از غضب برتر شدہ است  
 جرم ہای جان زاندازہ اگر بجز و بر شدہ است  
 رہنمائے رہنمایان گشت از فضل و کمال  
 شیخ شیخان شیخ حمزہؒ ہر کہ ما بہر شدہ است  
 عارفان را خاک راہش سرمہ چشم شہود  
 عاشقان را از شرف نعلین او افسر شدہ است



از دم او صادقان از گرد هستی رسته اند  
 و زانم او بجز نوحشان جام در گزیده است  
 بشت زار عاجزان را از کرم آمد ظهیر  
 کشت زار سوختگان را البر مستطر شده است  
 ذات پاک او ز حق منزل گشته آیت  
 نام نیک او شفیع در ته داور شد است  
 همت او شاه با ز اوج قدس لامکان  
 بیعت او سالکان را بهر دین شهر شده است  
 هر خصی از تر بتش گزیده خرم گلشنی  
 هر مس از صحبتش کبریت بس احمر شده است  
 عین سنت فضل او بر معان هر اهل کمال  
 عین حکمت قول او در گوش جان گوهر شده است  
 بنده خاص خدا و بنده گانش بادشاه  
 بل گدایش را گدا سلطان هر کشور شده است  
 بر عتویشان او دال است کز اهل کمال  
 طالب او شیخ هر دی ریشی اکبر شده است

○

### حواله کتب

۱. افضل الطریق (قلمی) از حضرت قطب الاقطاب شیخ احمد تارہ بلّی
۲. معارف اشرفیہ (قلمی) حضرت شیخ محمد تارہ بلّی
۳. سلطان (منظوم) از ملا بہاء الدین متو کشمیری

۴. معمولات اشرفیہ (قلمی)

از: حضرت شیخ احمد ثانی تارہ بلّی

۵. تاریخ حسن (حصہ سوم)

از مورخ کشمیر پیر حسن شاہ صاحب کھویہا می

۶. تحفہ اشرفیہ (مطبوعہ)

از: جناب مولانا حافظ قاری محمد حسن کبروی گاڈیاری





## شیخ محمد مراد ٹنگ

مغل دور میں مادر کشمیر نے بہت سے ایسے بلند پایہ اور برگزیدہ علماء و فضلاء کو جنم دیا جن کے مایہ ناز کارنامے رہتی دنیا تک ناقابلِ فراموش ہیں۔ ایسے ہی سربراہ آورده ادبار و فضلاء میں شیخ محمد مراد ٹنگ کشمیری مجددی کا نام بھی قابلِ ذکر ہے۔ آپ دینیات و روحانیت کے متبحر عالم ہونے کے ناطے لگانہ روزگار تھے۔ خزینۃ الاصفیاء کے مصنف آپ کے روحانی مرتبے کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں :

”شیخ محمد مراد کشمیری مجددی از اعاظم علماء کبرائے مشائخ  
اشہر کشمیر است۔ پدر بزرگوارش ملا محمد طاہر مفتی بود و خرقہ افتادہ  
برداشت و علامہ فہامہ عصر بود۔ . . . طالبان بہر سلسلہ کہ  
خواستندی از ایشان بیعت گرفتہ و در لقمہ بسیار کوشش و احتیاط

شعبہ فارسی، کشمیر یونیورسٹی۔ سرینگر

لکار بروے و شیخ قوت دو وقتہ از دستکاری خود پیدا کردہ  
بدست مبارک خود نان بختی و در نماز تہجد در ہر رکعت  
کم از کم ہزار اخلاص نہ خواندے۔“

لیکن افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ اتنی عظیم شخصیت کی سوانح حیات  
اور دیگر حالات و واقعات کا تفصیلًا جائزہ لینے کے لئے بجز چند حوالوں کے زیادہ  
مواد دستیاب نہیں۔

مہر حال یہ بات مسلم ہے کہ آپ کا نام محمد مراد اور عرف ٹنگ تھا۔ آپ  
کی ولادت بقول مورخ حسن کھوسیا می ۱۰۵۶ھ مطابق ۱۶۴۶ء میں ہوئی۔ اسکے  
علاوہ آپ کی شاہکار تصنیف ”تحفۃ الفقراء“ میں بھی بعض جگہوں پر چند ایسے  
واضح اشارے ملتے ہیں جن سے آپ کی تاریخ ولادت ۱۰۵۵ھ سے ۱۰۵۸ھ  
کے درمیان ہی تصور کی جاتی ہے۔ ان واضح اشاروں کے علاوہ تاریخ کشمیر  
کے ایک مشہور اور نامور مورخ خواجہ اعظم دیدہ مری نے مصنف محمد مراد کی عمر  
آپ کے انتقال کے وقت (۱۱۳۱ھ) پچھتر سال کی بتائی ہے۔ اس حساب سے بھی  
آپ کی تاریخ ولادت ۱۰۵۶ھ ہی مانی پڑتی ہے۔

شیخ محمد مراد اپنے زمانے کے ایک مقتدر مفتی خاندان کے چشم و چراغ  
تھے۔ آپ کے والد محترم ملا محمد طاہر مفتی اپنے وقت کے نامدار عالم و فاضل اور  
مفتی اعظم تھے جنہیں علم شریعت میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ اس کے علاوہ  
حافظ کلام اللہ بھی تھے۔ انہوں نے اپنے فرزند ارجمند شیخ محمد مراد کو بچپن میں  
ہی مختلف علوم و فنون خاص کر دینی تعلیم سے آراستہ کرانا شروع کیا تھا۔ اسی  
طرح اپنے والد سزرگوار کے علاوہ شیخ مذکور نے اپنے زمانے کے ایک اور بلند پایہ



عالم مولانا محمد یوسف کا وسو کے بیٹے اور ملا محمد فاضل کا وسو کے بھائی اخوند ملا علیہ السلام کا وسو سے بھی زانوئے ادب تہہ کر لیا تھا۔ جس کا تذکرہ شیخ موصوف نے خود اپنی تصنیف ”تحفۃ الفقراء“ میں کیا ہے۔

مقامی اساتذہ کرام کی صحبت کے علاوہ شیخ محمد راڈنگ باہر کے اساتذہ اور علماء و فضلاء کی درس و تدریس کی محفلوں سے بھی بہرہ ور ہوئے تھے۔ چنانچہ ہندوستان میں آپ نے مولوی میاں فرخ شاہ صاحب سے علم حدیث اور فقہ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ مولوی مذکور آپ کے پیر و مرشد شیخ عبدالاحد سرہندی فاروقی کے برابر تھے۔ ان کے علاوہ آپ نے ہندوستان کے دیگر بزرگانِ دین سے بھی علومِ دینیہ کی تکمیل کی تھی۔ آپ نے تین بار ہندوستان کی سیاحت کی اور طریقت کی باضابطہ تعلیم قاضی شاہ دولت بخاری سے حاصل کی تھی۔ اس طرح آپ نے علم حدیث و قرآن میں کافی دسترس پائی۔ اس کے علاوہ کم عمری کے باوجود آپ نے متداولہ علوم و فنون میں بھی پوری مہارت حاصل کر لی تھی۔

غرض یہ کہ شیخ مذکور کو بچپن سے ہی تصوف اور روحانیت کی لو لگی تھی۔ بائیس سال کی عمر (۱۷۷۷ھ) میں آپ کو معرفتِ الہی اور خدا طلبی کی فکر دامن گیر ہوئی تھی اور عین جوانی میں آپ کے دل میں حقیقت شناسی کی چنگاری بھڑک اُٹھی۔ دو سال تک آپ بغیر کسی پیر و مرشد کے سخت ترین ریاضتوں میں منہمک رہے۔ آخر کار حسن شاہ مجذوب کو اپنا ہمراز اور رہبر بنا لیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو آپ کی رہنمائی اور رہبری کے لئے کسی اور ہی عظیم اور نادر شخصیت کا انتخاب پسند تھا۔ چنانچہ اسی عرصے کے دوران حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے پوتے مرشد عالمیان شیخ عبدالاحد سرہندیؒ

فاروقی وادی کشمیر میں جلوہ افروز ہوئے اور آپ سید شریف رامہونی کی ولایت سے اپنے مرشد پاک کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے باطنی تعلیم و تربیت حاصل کر کے علم طریقت کے اسرار و رموز سے آگاہی پائی اور اس طرح علم عرفان سے فیض یاب ہوئے۔

شیخ محمد مراد اگرچہ دنیاوی لحاظ سے بڑے صاحب ثروت اور دولت مند تھے۔ لیکن اپنے مرشد نامدار کی ملاقات نے تو گویا آپ کو ترک دنیا کی ترغیب دی اور آپ انہی کے ہمراہ ۱۸۰۸ء میں ہندوستان (سرہند) تشریف لے گئے۔ چنانچہ یہاں پر آپ نے پیر کامل کی رہنمائی اور تربیت میں سلسلہ نقشبندیہ میں راہ سلوک کے تمام منازل طے کئے اور اس سلسلہ کی اجازت حاصل کرنے کے بعد واپس کشمیر لوٹ آئے۔ کشمیر آنے کے بعد آپ پھر عبادت الہی میں مصروف رہے۔ چنانچہ آپ خالق شمس چک میں اکثر و بیشتر اعتکاف میں بیٹھتے تھے اور خاص طور پر ماہ رمضان میں اعتکاف میں رہ کر عبادت الہی میں محو رہتے۔

آپ نے اپنی ریاضات شاقہ کے ساتھ ساتھ یہاں کے لوگوں کو بھی اپنے روحانی فیوض و برکات سے سرشار کیا۔ چار پانچ سال کی اقامت کے بعد آپ پھر اپنے مرشد نامدار کی خدمت میں سرہند شریف تشریف لے گئے۔ لیکن اس بار آپ نے انہیں سرہند کے بجائے شاہجہاں آباد (دہلی) میں مقیم پایا۔ وہاں پر آپ کی ملاقات نہ صرف آپ کے پیر کامل سے ہوئی بلکہ ان ہی دلوں وہاں حضرت حجۃ اللہ خواجہ محمد نقشبندی حرمین شریفین سے آئے تھے اور آپ اپنے پیر کامل کی اجازت سے ان کی خدمت میں مصروف عمل ہوئے یہاں تک



کہ اُن سے سند حاصل کر لی۔ ایک سال سے زائد عرصہ ان کی خدمت میں گزارنے کے بعد آپ پھر واپس کشمیر تشریف لے آئے۔ اس بار آپ نے ترک خانماں کر کے شہر کے کنارے مسجد چہ یار میں گوشہ نشینی اختیار کی تھی اور تقریباً چودہ سال اسی حالت میں گزارے۔ چنانچہ یہ عرصہ عبادتِ الہی اور ذکر و اذکار میں صرف کرنے کے بعد آپ پھر اپنے مرشد پاک کی ملاقات کے لئے شاہجہاں آباد تشریف لے گئے اور اس سفر میں آپ نے ہندوستان کے مختلف شہروں (سرہند، گجرات، لاہور، دہلی وغیرہ) سے گزر کر وہاں کے درویشوں، مشائخوں، زاہدوں اور عارفوں سے بھی ملاقات کی اور ان سبھوں کے حالات و واقعات اور کشف و کرامات کو اپنی شاہکار تصنیف ”تحفۃ الفقراء“ میں قلم بند کیا۔ اس بار بھی آپ اپنے پیر کامل کی خدمت میں مدت تک محو خدمت رہے اور اس دوران آپ خاندانِ احمدیہ کی بے شمار اور بے اندازہ نوازشوں سے فیضیاب ہو کر سلسلہ نقشبندیہ کبریہ اور سلسلہ قادریہ کی ارشاد کی سند حاصل کر کے کشمیر واپس تشریف لے آئے۔ ان ہی ایام میں وادی کشمیر میں شیخ محمد علی رضا تشریف لائے تھے۔ محمد مراد نے ان کی خدمت فیض پناہ میں جا کر سلسلہ کبریہ، چشتیہ اور سہروردیہ کی اجازت حاصل ان سلاسل میں مزید روحانی منازل طے کئے اور آپ ”جامع السلاسل“ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ چنانچہ سلسلہ قادریہ کی تربیت آپ نے شاہ محمد فاضل سے حاصل کی اور خود آپ نے انہیں سلسلہ نقشبندیہ کی تعلیم سے منور کیا۔

شیخ محمد مراد نے تمام سلاسل میں خطِ ارشاد حاصل کرنے کے بعد شریعت کو عام کیا اور آخری عمر تک سنتِ رسول اللہ کی ترویج، طالبانِ خدا کی رہبری

غریبوں اور مسکینوں کی امداد کرتے رہے۔ جہاں کہیں بھی کسی طالبِ حق کی خبر پاتے یا کسی ولی اللہ کا پتہ لگاتے تو ان کی خدمت میں وقت گزارنا اپنا فرض سمجھتے۔ غرض یہ کہ آپ انتہائی درجے کا سوز و گداز رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کی تربیت اور باطنی پرورش سے یہاں کے بے شمار لوگ فیضیاب ہوتے رہے اور معرفتِ الہی کے نور سے روشناس ہوتے تھے۔ ان لوگوں میں نہ صرف یہاں کے مرد ہی شامل تھے بلکہ بہت سی خواتین بھی آپ سے باطنی فیض پا کر اہل صفا کے زمرہ میں شامل ہوئیں۔

شیخ محمد مراد زندگی کے آخری حصے میں باوجود کبر سنی کے نماز تہجد میں ایک ہزار سے زیادہ آیتیں قرأت میں پڑھتے تھے اور نماز فجر میں ہمیشہ حلقہ سکوت کرتے تھے جس میں چالیس سے بھی زیادہ افراد حصہ لیتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی آپ کی مراقبے کے بے شمار طریقے اور دستور تھے، جن کو بقول آپ کے مریدِ خاص خواجہ محمد اعظم دیدہ مری مختصر سے کاغذ پر بیان کرنے کی گنجائش ممکن نہیں۔ شیخ مذکور پچھتر برس کی عمر پا کر ۱۱ ماہ رجب ۱۲۳۱ھ مطابق مئی ۱۸۱۷ء بروز بدھوار واصلِ حق ہوئے۔ خواجہ محمد اعظم نے اپنے مُرشد بزرگوار کے انتقال پر اپنے غم و اندوہ کا یوں برملا اظہار کیا ہے کہ

حیف از دہر بے وفا بگذشت  
قبلہ عارفانِ حق آگاہ  
متحد شد بوحدتِ مطلق  
آں کہ بودہ بملکِ عرفانِ شاہ  
چوں گل بسر شد ز باغِ جہاں



دست بردست رفت تادراگاہ  
 بعد ازو ملک دل خلل گرفت  
 حال ارباب شوق گشتہ تباہ  
 بے دلاں را از شوقِ فرقتِ او  
 اندر گلوست نالہ و آہ  
 گفت تاریخِ وصلِ او اعظم  
 وارثِ کاملِ رسول اللہ

۱۱۳۱ھ

شیخ محمد مراد محلہ بدھ گیر سہی سوکالی پورہ کے سرِ راہ اپنے مسکن کے  
 متصل ہی دفن ہوئے۔

خلفاء | جیسا کہ پہلے بھی بیان ہوا کہ شیخ محمد مراد نے اپنی ساری عمر صبر و قناعت  
 میں بسر کی۔ آپ نے شب و روز عبادتِ الہی اور آہ و زاری میں بسر کئے اور عمر  
 بھر افادہ اور اضافہ میں مشغول رہے۔ آپ ہمیشہ طالبانِ حق کی روحانی پیاس  
 بجھاتے رہے۔ آپ نے یہاں کے بے شمار لوگوں کو روحانی فیوض و برکات  
 سے مالا مال کیا۔ اس طرح آپ نے اپنے مُریدوں کو جن میں بعض عورتیں بھی  
 شامل تھیں، سلوک کے مختلف منازل طے کرا کے چشمہٴ معرفت کے اسرار و رموز  
 سے واقف کرایا۔

آپ کے مُریدوں اور شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ جن پر آپ  
 کافی مہربان تھے۔ باوجود قلیل آمدنی کے محتاجوں اور ناداروں کی مدد کرتے تھے  
 اس وجہ سے اکثر مقروض رہتے۔

کشمیر کے مایہ ناز مؤرخ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری شیخ محمد مراد کے مریدِ خاں تھے۔ خواجہ موصوف نے اپنے پیرو مُرشد کے حالاتِ زندگی اور روحانی عظمت و منزلت کے بارے میں رسالہ ”فیض مراد“ تحریر کیا تھا۔ خواجہ مذکور نے اپنی تاریخ ”واقعاتِ کشمیر“ میں اُس رسالے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

”تفصیلِ احوال آنحضرت رادر رسالہ فیض مراد کہ تمام

احوال آنحضرت ست نوشتہ ام۔“

خواجہ محمد اعظم نے اپنے مُرشدِ نامدار شیخ محمد مراد ٹنگ کی خدمت میں بارہ سال کا عرصہ گزار کر راہِ سلوک کے منازل و مراحل طے کئے تھے اور اس بات سے شاید ہی کوئی صاحبِ علم واقف ہوگا کہ خواجہ مذکور نے اپنی معرکتہ الآراء تصنیف ”واقعاتِ کشمیر“ کو سرشتِ تحریر میں لانے کے وقت اپنے مُرشد کی تصنیف ”تحفۃ الفقراء“ سے نہ صرف اپنے ایک اہم ماخذ کے طور پر استفادہ کیا — بلکہ انہوں نے بعض صوفیاءِ کرام اور علمائے عظام کے حالات و واقعات ”تحفۃ الفقراء“ کی ہی عبارت میں اپنی تاریخ میں من و عن درج کئے ہیں۔ اس طرح یہ کہنے میں کوئی مبالغہ آمیزی نہیں ہوگی کہ واقعاتِ کشمیر کے بعض اوراق ”تحفۃ الفقراء“ کی ہی صدائے بازگشت ہیں اور اسی صدا کو بعد میں آنے والے بعض مؤرخین اور مصنفین نے بھی اپنی تصانیف نے خزانوں میں بند کیا ہے۔

خواجہ محمد اعظم جو کسی تعارف کے محتاج نہیں کے علاوہ شیخ محمد مراد کے دیگر خلفاء میں سے عبدالصبور صاحب کا نام قابلِ ذکر ہے۔ انہوں نے سلسلہ قادریہ میں شیخ موصوف سے بیعت کی تھی۔ ان کا مدفن سرینگر کے محلہ گندہ پورہ متصل عید گاہ میں واقع ہے۔



شیخ مذکور کے ایک اور مُرید خواجہ سید شریف تھے۔ بقول مصنف محی الدین مسکین خواجہ مذکور نے طریقہ شریفیہ سلسلہ نقشبندیہ محمد مراد سے سیکھے تھے اور تھوڑے عرصے میں منازل سلوک طے کئے تھے۔ ان کا انتقال ۱۳۱۵ھ یا ۱۳۱۶ھ میں ہوا تھا۔ شیخ محمد مراد کے خلفاء میں شیخ محمد یوسف کنت کا نام بھی شامل ہے۔ انہوں نے اپنے مُرشد کی ہمراہی میں ہند کی سیاحت بھی کی تھی اور عین جوانی میں ترک دنیا کر کے اپنی پوری عمر زہد و تقویٰ میں بسر کی۔ آخر نوے سال کی عمر میں ۱۵۱۵ھ میں رحلت کی اور مولانا یوسف ترکی کے مقبرے میں دفن ہوئے۔ دیگر خلفاء میں میر عبدالرشید بیہقی (جد امجد سادات بیہقی) میر عبدالوہاب، شیخ عبداللہ، مولوی عبدالفتح گنگوہی کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ کشمیر کے شہرہ آفاق فارسی گو شاعر ملا محمد طاہر غنی کے بیعتیجے مولوی حاجی محمد بھی شیخ محمد مراد کے مُرید نامدار تھے۔ آپ کے اور بھی بہت سے خلفاء تھے جن کا پتہ لگانا ممکن نہیں ہو سکا۔

**اولاد** "تحفۃ الفقراء" اور دیگر تصانیف و تواریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ محمد مراد طنگ کے فرزند شیخ عبدالرشید طنگ تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد بزرگوار سے ہی حاصل کی تھی اور عین جوانی میں مولوی طلبی کے شوق و ذوق نے اُن پر غلبہ کیا۔ انہوں نے ابتدائی طور پر اگرچہ اپنے والد محترم کی خدمت میں روحانی و باطنی کمالات طے کئے لیکن چونکہ مجددی سرہندی خاندان سے آپ کو گہری عقیدت اور وابستگی رہی تھی لہذا آپ کو بھی مُرشدِ اعلیٰ شیخ عبدالاحد سرہندی کی خدمت میں جانے کا اشتیاق ہوا اور آپ سرہند تشریف لے گئے۔ وہاں پر مُرشدِ اعلیٰ کے دربار فیض بار میں دل و جان سے خدمت گزاری کے فرائض انجام دیئے۔ مُرشدِ اعلیٰ کی صحبت سے مستفید ہونے کے بعد اپنے



وطن کشمیر واپس لوٹ آئے۔ دو سال کے بعد مرشدِ اعلیٰ کی ملاقات کے لئے پھر ہندوستان تشریف لے گئے اور ان کے ہمراہ شاہجہاں آباد گئے۔ کشمیر سے ہندوستان جانے کو دو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا کہ اسی دورانِ مرشدِ اعلیٰ شیخ عبدالاحد سرہندیؒ نے شاہجہاں آباد میں ہی داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

شیخ عبدالرشیدؒ نے مرشدِ اعلیٰ کی نقشِ مبارک کو سرہند شریف لاکر تجہیز و تکفین کا کام انجام دیا اور پھر کشمیر واپس لوٹ آئے۔ اس کے بعد میہاں پر براہِ حق کے طالبوں کی رہبری و رہنمائی میں منہمک ہوئے۔۔۔۔۔ آپ شدید بیماریوں میں مبتلا ہو جانے کے باوجود چوٹوں برس کی عمر میں حج بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے چلے گئے۔ تھوڑی دیر سرہند اور دہلی میں ٹھہرنے کے بعد ملتان کے راستے سے ہوتے ہوئے مناسبِ حج کا فریضہ انجام دیا۔ اس دوران بھی ان مقامات پر آپ نے راہِ سلوک کے سالکوں کی روحانی پیاس بجھائی اور پھر ہندوستان کا رخ کیا لیکن شاہجہاں آباد پہنچتے ہی آپ کے امراض نے اس قدر غلبہ کیا کہ آپ نے شبِ معراج میں ۲۷ ماہ رجب ۱۱۵۷ھ میں اس دارِ فانی سے رخصت لے لی اور بھگت شاہجہاں آباد سپردِ خاک کئے گئے۔

شیخ مذکور کے علاوہ شیخ محمد مراد کے کسی اور اولادِ نرینہ کے بارے میں کوئی پتہ نہیں چلتا۔ البتہ مورخ حسن کھوسہؒ نے آپ کے ایک مرید ”بابا مقصود“ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بابا مذکور اپنی خداداد صلاحیت اور باطنی استعداد کے باعث محمد مراد کے نہ صرف جانشین مقرر ہوئے تھے بلکہ انہیں آپ کا داماد بننے کا شرف بھی حاصل ہوا تھا۔ تو گویا آپ صاحبِ دختر بھی تھے۔

شیخ محمد مراد کے داماد بابا مقصود صاحبِ حال و قال اور بہت ہی باکمال



صوفی بزرگ تھے۔ ظاہری دنیا سے متنفر تھے۔ اس کے بجائے گوشہ نشینی اور عزت گیری کو ترجیح دیتے تھے۔ انہوں نے ۱۱۹۳ھ میں انتقال کیا اور اپنے مُرنے کے مقبرے میں ہی سُپردِ خاک کئے گئے۔

شیخ محمد مراد کی تصانیف | شیخ محمد مراد اپنے زمانے کے نہ صرف بلند رتبہ صوفی بزرگ تھے۔ بلکہ آپ عربی و فارسی کے جید عالم تھے۔ ان دونوں زبانوں پر آپ کو پورا عبور حاصل تھا۔ آپ صاحبِ تصوف ہونے کے ساتھ ساتھ بحرِ علم کے مایہ ناز عالم و فاضل بھی تھے۔ آپ علمِ شریعت میں بڑی دستگاہ کے مالک اور اپنے زمانے کے مشہور محدث اور فقیہ تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ ”تحفۃ الفقراء“ کے علاوہ آپ نے فارسی نثر میں دیگر تصنیفات بھی باقی چھوڑی ہیں جن میں ”جبلِ متین“، ”حسانت المقرین“، ”فوائد اضافیہ“ اور ”رسالہ اسرارِ وحدت“ کے نام ملتے ہیں۔ لیکن ان میں صرف ”جبلِ متین“ دستیاب ہے۔ باقی تصانیف زمانے کے دستبرد سے تلف ہو چکی ہیں۔

تحفۃ الفقراء | شیخ محمد مراد کی اس شاہکار تصنیف کا پورا نام ”تحفۃ الفقراء و الاولیاء“ ہے اور اسے شیخ مذکور نے ۱۲۲۲ھ میں رشتہ تحریر میں لایا ہے۔ مذکورہ تصنیف مغل دور کے صوفیانہ ادب میں ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں مصنف مذکور نے نہ صرف کشمیر کے صوفی بزرگوں، درویشوں، عالموں، ادیبوں اور مفکروں کا تذکرہ کیا ہے بلکہ ہندوستان کے معاصر بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ کے حالات بھی بخوبی تمام درج کئے ہیں۔ اس سلسلے میں شیخ محمد مراد مقدس میں یوں رقمطراز ہیں :

”کلمہ چند در اجمال احوالِ اولیاء عامہ یعنی مشایخ و درویشان

وزہاد و صلحاء عصرِ خود کہ زیارتِ ہمہ آنہا در حیات سیر شدہ  
بقلم آورده شود چہ از وطن کہ بلدہ کشمیر است و چہ از ہندوستان  
کہ ممکن مَرشد فقیر است۔“

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مصنف شیخ  
محمد مراد نے ایسے بزرگوں اور عالموں و فاضلوں کے حالات بھی قلم بند کئے ہیں  
جن کے ساتھ آپ نے اپنی عمر میں ملاقاتیں بھی کیں ہیں تو اس لحاظ سے اس میں  
بعض درج شدہ حالات و واقعات کافی معتبر اور مستند ہیں۔ کشمیری مشائخوں کے  
علاوہ اس میں دہلی، پنجاب، سرہند، کابل وغیرہ مقامات سے تعلق رکھنے والے  
اولیاء، اصفیاء، صلحاء، علماء و فضلاء کے حالات و واقعات نہایت خوبی کے  
ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اس میں احادیثِ نبویؐ اور اقوال و اشعارِ بزرگاں نہایت  
سادہ، شیریں، روان، دلکش اور دلچسپ پیرائے میں درج ہوئے ہیں۔

”تحفۃ الفقراء“ اصل میں صوفیاءِ کرام کے حالات میں ایک بسیط و عریض  
کارنامہ ہے۔ اس میں ایک سو پچیس تحفے ملتے ہیں۔ ہر ایک تحفے میں ایک ایک  
روحانی بزرگ کے علم و فضل اور کشف و کرامات کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اسکے  
اولاد و احفاد اور دوست و احباب تک کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح بعض اوقات  
بعض تحفوں میں نہ صرف ایک صوفی بزرگ بلکہ کئی کئی بزرگاں دین کے حالات و  
واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس وجہ سے یہ نادر تصنیف کشمیر اور ہندوستان  
میں مغل دور کی تذکرہ نگاری کا ایک عمدہ قابلِ قدر اور قابلِ تحسین نمونہ ہے۔

”تحفۃ الفقراء“ میں شیخ محمد مراد طنگ نے اپنے مُرشدِ بزرگوار شیخ عبدالاحد  
سرہندی ان کے فرزندوں اور اس خاندان کے بعض دیگر بلند پایہ صوفیاءِ کرام کے



حالات اور ان کے ساتھ اپنے ذاتی تعلقات کے تذکرے سے ہی ابتداء کی ہے۔ یوں تو مصنف مذکور نے اس خاندان سے وابستہ علماء و فضلاء اور صلحاء کے تمام حالات، کشف و کرامات اپنی دوسری تصنیف "حسنات المقربین" میں نہایت تفصیل کے ساتھ ضبط تحریر میں لائے تھے۔ "تحفۃ الفقراء" میں اپنے مُرشد کے خاندان سے اپنی گہری وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے مصنف موصوف یوں رقمطراز ہیں:

"و عنوان رسالہ مزین باسامی حضراتِ عالی درجات  
سرمنہ کہ اولاد و امجاد مجدد الف ثانی اند ساختہ باوصف آنکہ در  
'حسنات المقربین' احوالِ ایں بزرگان مبسوط بود۔ چوں ارادت  
صوری و معنوی بہ ہمیں خالوادہ است۔"

شیخ محمد مراد نے زیر بحث تصنیف میں اپنے پیر پاک کے نام اُن کے بعض ساتھیوں کے کچھ مکتوبات بھی من و عن درج کئے ہیں۔ یہ مکتوبات صوفیانہ موضوعات کے علاوہ نقشبندیہ سلسلہ کے متعلق تحریر کئے گئے ہیں۔ شیخ مذکور نے اپنے بعض ساتھیوں کے مکتوب اور ان کے جوابات بھی اس تصنیف میں درج کئے ہیں۔ ان مکتوبات میں عربی و فارسی کی آمیزش نظر آتی ہے جو مصنف مذکور کی عربی و فارسی دانی کا بّین ثبوت ہے۔

"تحفۃ الفقراء" میں تصوف کے تقریباً سب سلسلوں سے وابستہ صوفیاء کرام کا تذکرہ ملتا ہے۔ جن میں قادری، چشتی، نقشبندی سلسلوں سے وابستہ علماء و صلحاء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ مذکورہ تصنیف مغل دور کے ادب کا ایک نادر اور بے مثال نمونہ ہے۔ اس کی عبارت نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔ جبکہ اس دور کی اکثر تصنیفات پیچیدہ گوئی، ابہام اور مغلط گوئی کی شکار

ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ مسجع اور مرصع نثر نے بھی اس دور میں کافی رواج پایا تھا۔ لیکن اس کے برعکس شیخ محمد مراد نے اپنی مایہ ناز تصنیف کی عبارت کو عربی اقوال، قرآنی آیات اور صوفیانہ اشعار سے مزین کیا ہے۔ آپ کے ہم عصروں میں بابا داؤد مشکوٰتی، شیخ محمد چشتی رادھو، خواجہ محمد امین دارو وغیرہ جیسے بلند پایہ مصنفین نے بھی سادگی کی روش کو ہی بنائے رکھا اور آگے بڑھایا۔

مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ تحفۃ الفقراء کی ادبی اہمیت اور افادیت کا راز اس حقیقت میں مضمر ہے کہ اس کے بعض اوراق نے "واقعات کشمیر" جیسی اہم تاریخ کو زینت بخشی ہے۔ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری نے تحفۃ الفقراء کے بعض تذکرے اپنی تاریخ "واقعات کشمیر" میں ہو بہو درج کئے ہیں اور خود بعض جگہوں پر اس بات کی تصدیق بھی کی ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تحفۃ الفقراء ایک نادر اور اہم ادبی کا نام ہے لیکن پھر بھی زمانے کی دستبرد نے اس کے ادبی حسن کو کہیں کہیں پر مسخ کرنے کی کوششیں کی ہیں جس کی وجہ سے اس کے بیچ میں ایک دو اوراق گم ہو گئے ہیں اور ایک ڈیڑھ صفحہ خالی از عبارت بھی ملتا ہے۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی خامی جو اس نادر تصنیف میں نظر آتی ہے وہ یہ کہ یہ اخیر میں نامکمل ملتی ہے۔ اس کے باوجود مذکورہ تصنیف گلشن ادب کا وہ صدابہار پھول ہے جس کی مہک ہر دور میں سالکوں اور عالموں کے دماغوں کو معطر کرتی رہی ہے۔

**جبلِ متین** | شیخ محمد مراد کی دوسری دستیاب تصنیف "جبلِ متین" ہے۔ اس کا ایک نسخہ جموں و کشمیر لکچرل اکادمی سرینگر میں زیر ایکشن نمبر ۳۵ محفوظ ہے۔

اپنے اس کے دیباچے میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ اس تصنیف کا نام



حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تجویز ہوا تھا۔

موضوع کے لحاظ سے "جبل متین" تصوف و عرفان اور معرفت الہی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے اور اس کی عبارت عربی آمیز ہونے کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات اور احادیث سے بھی مزین ہوئی ہے۔ اس میں مصنف نے زیادہ تر طریقہ نقشبندیہ کے فضائل و محاسن کو اجاگر کیا ہے اور اس سلسلے کے بعض اولیاء کرام کے حالات و واقعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

"جبل متین" خط نستعلیق میں تحریر ہوئی ہے اور کل سترہ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کے ٹائٹل (Title) صفحے پر ایک فارسی نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اسے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے بھائی ملا عبد الغفور کی تمناں پر تالیف کیا تھا۔

**حسان المقربین** | جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ حسان المقربین "محمد مرادی ایک اور تصنیف ہے جسے آپ نے تحفۃ الفقراء" سے پندرہ سال پہلے یعنی ۱۱۵۷ھ میں رشتہ تحریر میں لایا تھا۔ اب یہ تصنیف اگرچہ نایاب ہے لیکن تحفۃ الفقراء میں جگہ جگہ پر اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف موصوف نے اپنے مُرشد پاک شیخ عبد الاحد سرہندی کے دادا حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے اولاد و احفاد اور خلفاء کے حالات و کشف و کرامات کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

**فوائد رضائیہ** | یہ نایاب تصنیف شیخ محمد مراد نے محمد علی رضا "کی تعریف و توصیف میں لکھی ہے۔ محمد علی رضا مصنف کے ایک اُستاد میان فرخ شاہ صاحب کے فرزند ارجمند تھے۔ جو ۱۱۵۳ھ میں وادی کشمیر میں تشریف لائے تھے اور محمد مراد بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے فیض و برکت سے مشرف ہوئے تھے۔

اس بارے میں ”تحفۃ الفقراء“ میں لکھتے ہیں :

”محمد علی رضا بکشمیر ہم در شہور سنہ ہزار و یک صد و سہ تشریف  
آوردند و بر محرر عنایت خاصی داشتند۔ سہ ماہ توقف فرمودند۔  
دریں سہ ماہ آنچہ دیدہ شد بقلم نمی توان آورد شتمہ در نسخہ علیحدہ  
”بغوائد رضائیہ“ کہ نام ایشیا نست مرقوم شد وقت مراجعت  
ارشاد نامہ در طریقہ چشتیہ و سہروردیہ و کبرویہ از انطرف مرحمت  
کردند و برکات و فتوحات بسیار از صحبت ایشان حاصل شدہ“

رسالہ اسرار وحدت | شیخ محمد مراد کا یہ رسالہ بھی دستیاب نہیں۔ لہذا اس سلسلے  
میں مصنف کے ان چند الفاظ پر ہی اکتفا کرنا پڑا :

”ا مار سالہ اسرار وحدت کہ در آں ایام در غلیبات توجید محرر

بقلم آوردہ بود . . . .“

رسالہ کے عنوان اور مصنف کے مذکورہ بالا الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ  
یہ رسالہ تصوف و عرفان کے اسرار و رموز میں لکھا گیا تھا۔

بہت ممکن ہے کہ شیخ محمد مراد نے ان تصانیف کے علاوہ اور بھی تصانیف  
اپنے پیچھے چھوڑی ہوں گی جن کو زمانے کی دست برد نے نام اور کام سمیت گمنام  
وادی میں اس طرح دھکیل دیا کہ اس وقت اُن کے بارے میں قلم اٹھانا نہ صرف  
دستوار ہے بلکہ ناممکن بھی۔





## سید حبیب اللہ شاہ بخاری نقشبندیؒ

”اپنی ہستی کو مٹانا ہی فقر ہے۔ فقر فضل الہی ہے۔ فضل الہی کے خزانے اسی پر کھلتے ہیں جو اس کا اہل ہو۔ خزانہ الہی کو پوشیدہ رکھنا اس کی اصل حقیقت ہے اور یہ خزانے معرفت کی کنجی سے کھلتے ہیں۔ وہ کنجی عشق احمد مجتبیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اجل شانہ کا عشق و شوق غلبہ حاصل کرتا ہے تو کثرت فی الوجدت سے فنا فی اللہ کا مشاہدہ فی الذات باری تعالیٰ سے پھر حیاتِ ابدی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ مقام فضل الہی سے حاصل ہو جاتا ہے، جسے چاہتا ہے بچھاؤ کر دیتا ہے۔“

یہ وہ اسرارِ نہانی و کلامِ حلقوم عبد اللہ تھا جو حضرت قبلہ عالم مولانا مولوی سید حبیب اللہ شاہ صاحب بخاری، قادری، توشاہی، نقشبندی بیروت شریف

\* سورنگوٹ پونچھ - جموں توی - پن ۱۸۵۱۲۱

(پونچھ) کی زبان مقدس کے ذریعہ مورخہ ۸، جمادی الاول ۱۳۴۱ھ بروز بدھ وار بوقت صبح بعد از ادائیگی نماز چاشت آپ کے وصال پر ملاں کے لمحات پر حلال کے وقت الوار بن کر فضائے گیتی میں بکھیرے۔

حضرت قبلہ عالم جناب مولانا مولوی سید حبیب اللہ شاہ بخاریؒ کی ولادت باسعادت ۱۸۴۶ء بمقام بالا کوٹ ضلع ہزارہ ہوئی۔ آپؒ کی عمر ابھی پانچ برس کی تھی کہ والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آٹھ برس کی عمر میں جناب مائی صاحبہ بھی داغ مفارقت دے گئیں، جو ایک عارفہ اور خدارسیدہ تھیں۔ آپ نے بوقت وصال خدا تعالیٰ جل شانہ سے دعا فرمائی تھی کہ ”اے اللہ! اپنے حبیب کے طفیل میرے بیٹے کو ولی کامل اور عارف باللہ بنا۔“

یہ والدہ ماجدہ کی دعا کا اثر تھا کہ آپؒ نے ۱۸ برس کی عمر میں ہی تمام علوم ظاہری، دینی اور شرعی میں سند حاصل کر لی تھی اور زندگی کی ابتداء سے ہی آپؒ توحید و رسالت کے اتھاہ سمندر کے غواص اور عبادت و ریاضت اور رشد و ہدایت کے کالمین کی صف میں شامل ہو چکے تھے۔

مطابق ”مخزن الاسرار“ مرتبہ جناب قبلہ الحاج سید محمد مقبول شاہ بخاریؒ فرزند اصغر حضرت مولوی سید حبیب اللہ شاہ بخاریؒ صفحہ نمبر ۱۱ :

”آپ کے دل میں بچپن سے ہی جذبہ عشق آنحضور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر تھا کہ جب کبھی آپ کا نام مبارک سنتے یا تحریر کرتے تو عشق آنحضورؐ میں محو استغراق ہو کر مدہوش ہو جاتے۔ اس لئے آپ کے دل میں اہل معرفت و صاحب طریقت کی تلاش و جستجو پیدا ہوئی اور آپ نے اپنے مرشد کی تلاش و جستجو کا



ارادہ کیا اور رختِ سفر باندھا۔ آپ کو یہ اضطراب و جستجو کر شریف  
 میں حضرت شمس العارفین مجددِ دوران سید حاجی محمد مراد کے  
 دربارِ عالیہ میں لے آیا۔ جہاں آپ کو بوقتِ سحر خواب میں حکم ہوا  
 کہ سرینگر میں فقیرِ مستوارِ رُسل صاحب کے پاس جا کر ان سے  
 اپنا مطلب دریافت کرے۔ (رُسل صاحب ایک مستوار تھے  
 جو بعد نمازِ عشاءِ سُکر کی حالت میں ہوتے تو گانا بجانا اور قوالی  
 سُستے اور سحر کو ہوش میں آکر گانا بجانے والوں کو لاٹھی لیکر مارتے  
 اور بھگا دیتے کہ یہاں غیر شرعی باتیں نہ کریں)۔

جس دن حضرت سید مولوی حبیب اللہ شاہ کو وہاں  
 پہنچنا تھا، اُس دن رُسل صاحب نے گانا بجانے والوں سے فرمایا  
 کہ آج میرا ایک خیر البرکت مہمان آرہا ہے۔ آج کسی کو یہاں  
 آنے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ جس وقت سید صاحب آپ کے  
 پاس پہنچے تو رُسل صاحب کھڑے ہو گئے اور کشمیری زبان میں  
 فرمایا، ”پراراں ادُسس“،

چنانچہ رُسل صاحب جس لکڑی کے تختے  
 پر عبادت فرما رہے تھے، اسی تخت پر بیٹھنے کے لئے آپ  
 کو مجبور کر دیا اور ساری رات اسی تخت پر آپ کو بٹھا کر رکھا۔  
 راز و نیاز کی باتیں ہوتی رہیں۔ جناب رُسل صاحب چٹکی  
 بجا کر بار بار یہ شعر پڑھتے تھے  
 مبارک منعموں کو اپنی نعمت      مبارک عاشقوں کو درگُفت

اور بوقت سحر فرمایا کہ آپ کو حضرت پیرانِ پیر غوث الاعظم  
محبوبِ سبحانی کی نیابت ملے گی اور صبح فرمایا کہ پُرونس یعنی پونچھ  
جاؤ، وہاں وقت کا ایک غوث سالک ہے، تمہارا فیض اس کے  
پاس ہے۔ اس پر آپ پیرنچال کی بلند پہاڑیوں کو عبور کر کے  
وادی سورن میں داخل ہوئے۔ یہ وادی چونکہ ریاست پونچھ  
ہی کی ایک تحصیل تھی اور آپ نے حسبِ ارشادِ رسل صاحب  
پونچھ کے اسی شرقی علاقہ میں گھومنے پھرنے اور اپنے مُرشد  
کی تلاش کی غرض سے لوگوں میں وعظ و نصیحت فرمانے کا  
ایک سلسلہ شروع کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب سارا ملک طاغوتی قوتوں کی غلامی  
کے چنگل میں پھنسا ہوا تھا۔ اس سرزمین کے عوام عام طور پر  
بہت بے بہرہ ہوا کرتے تھے۔ دینی یا دنیوی تعلیم کا کوئی باقاعدہ  
مرکز نہ تھا۔ اس لئے عوام فقہ و حدیث اور سنتِ رسولؐ سے  
بہت حد تک لاعلم تھے۔ صرف خاص خاص علماء اور  
اللہ والے ہی راہِ سلوک کی خبر رکھتے تھے۔ ذرائعِ سرے سے  
ہی محدود تھے۔ آمد و رفت کے ذرائع مفقود ہونے کی وجہ  
سے عوام تعلیمی اور روحانی فیوض سے آراستہ ہی نہ ہو سکتے  
تھے اور ایسے میں آبادی کا ایک بڑا حصہ اسلام کے فیوض و  
برکات سے بے بہرہ ہو کر موجبِ عذابِ الہی بنتا جا رہا تھا۔  
نظامِ قدرت کے قربان جانیے کہ اُس نے اس خطّ ارض کو



جہالت، گمراہی، استبداد اور شرک و بدعات سے نجات دلانے کے لئے حضرت قبلہ عالم مولوی سید حبیب اللہ شاہ جیسے ولی کامل کو اس علاقہ میں بھیج دیا۔

آپؒ دینی علوم سے آراستہ تھے اور سند یافتہ بھی تھے۔

اس لئے لوگ آپؒ کو "مولوی صاحب" کے لقب سے زیادہ جانتے تھے۔ آپؒ ولایت کے ایک بلند مقام پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جید عالم، فاضل، مقرر، ادیب، شاعر، فقیہ، خوش الحان، خوش وضع، خوش گفتار، بلند کردار،

صاحبِ جود و سخا، مجسمہٴ صدق و صفا اور ایسے حق پرست و حق گو تھے کہ اُن کے سامنے کسی کو کوئی غیر شرعی، غیر اخلاقی یا غیر انسانی حرکت تک کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ کوئی داڑھی منڈوانے والا، سگریٹ تمباکو پینے والا یا کوئی غیر شرعی حرکت کرنے والا شخص آپ کے عتاب سے نہ بچ سکتا تھا۔ ہاں جس نے توبہ کر کے آپ کے حلقہٴ مریدی میں آنے کی کوشش کی اسے دینی اور دنیوی خزانوں سے مالا مال فرما دیا۔

حصولِ بیعت | جب حضرت رسلؐ کے بتائے ہوئے مردِ کامل سے ملاقات نہ ہو سکی اور آپؐ نے اپنے وطن واپس جانے کا ارادہ کر لیا تو وادیِ سورن سے براستہ پونچھ شہر واپس چلے جانے کا عزم کیا۔ جس دن آپؐ کو پونچھ شہر سے گزرنا تھا اسی شب پونچھ کے ایک صوفی اور اہل اللہ پیر شہاب الدین، جنکے اجداد

بھی حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانیؒ سے منسلک تھے، کو خواب میں ایک ولی کامل نے حکم دیا کہ صبح سورنکوٹ کی جانب سے ایک سید صاحب جن کا نام مولوی حبیب اللہ شاہ ہے، آنے والا ہے جو اسی راستے سے گذر کر واپس اپنے وطن جانے کا عزم کئے ہوئے ہے۔ ان سے ڈونگس باولی کے قریب ملاقات کرو اور انہیں یہ پیغام پہنچا دو کہ حضرت غوث الاعظم پیران پیر محبوب سبحانیؒ کی جانب سے آپ کو یہ ارشاد ہوا ہے کہ واپس مہنڈر جاؤ۔ جس مقصد کے لئے آئے تھے وہ تحصیل مہنڈر کے موضع تھکھیلہ میں حاصل ہوگا۔

چنانچہ وہیں سے واپس مہنڈر روانہ ہو گئے اور جس دن آپ تھکھیلہ گاؤں میں پہنچے تو وہاں سیرت النبیؐ کا ایک عظیم اجتماع ہو رہا تھا جہاں حضرت سائیں فتوح الدین صاحب قادریؒ ایک نفیس پالکی میں سوار تشریف لائے۔ وہاں قیام کرتے ہی جناب سائیں فتوح الدین قادریؒ نے اپنے خادم مسئی کالو کو فرمایا کہ آج میرا ایک مہمان آ رہا ہے جس کے لئے میں کئی سال سے منتظر تھا۔ اچھا کھانا تیار کرو۔ وہ ہمارے ساتھ ہی کھانا کھائیں گے۔ ادھر حضرت سید حبیب اللہ شاہ صاحب کو خبر ہوئی کہ یہاں کوئی ولی کامل صاحب جلال و عظمت تشریف لائے ہیں تو فوراً ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تو سائیں صاحب انہیں دیکھتے ہی فوراً کھڑے ہو گئے۔ بغل گیر



ہوئے اور فرمایا - " ازل کے روز بھی ملاقات ہوئی تھی اور الحمد للہ  
 آج بھی ملاقات ہو گئی "۔

جب تمام لوگ اطمینان سے مجلس میں بیٹھ گئے تو حضرت  
 قبلہ فتوح الدین صاحب نے مولوی صاحب سے نعت سنانے  
 کی فرمائش کی۔ حضرت نے نہایت خوش الحانی سے  
 نعت گوئی کی تو اس پر سائیں صاحب نے فرمایا کہ پیر صاحب  
 کافی زیادہ پڑھے ہوئے ہیں۔ حضرت قبلہ سائیں صاحب کی  
 زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلنے ہی تھے کہ مولوی صاحب کے  
 ہر گوریشے سے "ھو" کی آواز آنے لگی اور پھر رات کو حضرت  
 سائیں صاحب نے مولوی صاحب کو اپنے کمرے میں ہی آرام  
 کرنے کو کہا اور اسی شب بوقت سحر سائیں صاحب نے آپ کو  
 سلسلہ قادریہ میں بیعت فرمایا اور کہا کہ عنقریب آپ پر ایک  
 ایسا مقام راز و نیاز الہی کھلے گا کہ جس سے دائم حضوری  
 غوث الثقلین محبوب سبحانی اور مجلس حضوری حضور سرور کونین  
 محبوب خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سرفرازی کا شرف  
 حاصل ہوگا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہوگا کہ حضرت سائیں  
 فتوح الدین صاحب تین بھائی بہن تھے یعنی ایک حضرت خود  
 دوسرے بھائی سائیں کملہ بادشاہ جن کا مزار تھکیا کے موضع  
 موہڑہ شریف میں مرجع الخلائق ہے اور ایک بہن تھیں - یہ  
 تینوں حضرات اولیائے کاملین میں سے تھے۔ جن کی کرامات کا

ایک لمبا سلسلہ تواریخ میں موجود ہے اور یہ تینوں اولیائے اکرام  
لوہار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

• — (تاریخ اقوام پونچھ مصنفہ محمد الدین فوق)

موضع پمروٹ میں آمد | حضرت سائیں فتوح الدین صاحب کے ارشاد کے مطابق آپ نے پونچھ اور راجوری کے دور و دراز تک کے علاقوں کے لوگوں کو گمراہی اور جہالت سے نکال کر روحانی فیوض و برکات سے مالا مال کرنے کی غرض سے موضع پمروٹ تحصیل حال سرنوٹ میں رہائش اختیار فرمائی۔ جہاں آپ نے ایک مسجد اور ایک حجرہ تعمیر فرمایا۔ جہاں خلوت نشینی، چلہ کشی، زہد و ریاضت اور عبادت الہی کا سلسلہ جاری فرمایا۔ مُرشدِ کامل کی توجہ سے آپ پر راز و نیازِ ایزدی کے اسرار کھلتے چلے گئے۔

ایک دن جناب صاحب موصوف بجانب قطب مراقبہ میں مشغول تھے کہ فضل الہی کے دروازے کھلے تو شہنشاہِ عارفان، رازدارِ سر نہاں محبوبِ سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جلوہ گر ہوئے تو قبلہ موصوف نے دامنِ غوثیت سے لپٹ کر جلوۂ ذاتِ وحدانیت کے پر تو کو دیکھا۔ اسی دن سے آپ کی یہ حالت سنی کہ آپ دنیا سے بے نیاز توجہ الی اللہ میں مُستغرق رہنے لگے۔ اسی دوران آپ کو حضرت محبوبِ سبحانی قطبِ ربّانی غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں بھی جلوہ گر ہو کر اسی علاقہ میں رہ کر اسی خطّ ارض کے عوام کو جہالت، گمراہی اور ارتداد کے سایہ سے نکال کر علومِ شریعت اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی صراطِ مستقیم پر چلنے کا بھی ارشاد فرمایا اور بغداد شریف سے ایک ولی کے ذریعے آپ تک مہر اور سندِ غوثیت ظاہری طور پر ارسال فرمائی۔



سلسلہ تصنیف و اشاعت و تبلیغ و تعلیم | پیروٹ شریف میں قیام فرمانے  
 کے بعد آپ نے اس سرزمین سے ارتداد، بدعات، توہمات، شرک، غرور و تکبر اور  
 غلامی غیر اللہ کے اندھیروں کو مٹانے کا ایک موثر سلسلہ شروع کیا۔ سالک کو اپنی  
 منزل مقصود حاصل کرنے کے لئے یوں رہنمائی فرماتے ہیں۔

دلبر نیڑے شاہِ رگ کو لوں دُور نہ جان پیارے  
 زیرِ تے بالا قطب شمالی اسے رنگ کھلا رہے  
 ہے آواز اندر جے لوڑ و لمسی نال تلاشاں!  
 دُور لوڑ نیندے مچھے اڑک عاجز حال بیچارے  
 ہر ہر اندر بھیدا سے دا عقلوں نظر نہ آوے  
 قُرب وصال و سار گما یا خالی عقل ہمارے  
 باہجہ صفائیاں عشقِ جہائیاں دلبر مکھ نہ دسدا  
 باہجہ وسیلے مشکل اوکھا جاوَن و جہ سرکارے  
 اصل فرع تھیں باہر ہوئی فردوں فردا گیرے  
 موتو قبل موت مہوئیاں تاں زندہ ہوئیں دوبارہ  
 اک پل دیر پننگ نہ کردا جاں اگ روپ دکھا دے  
 تاں رل فانی ہو کر کردا دلبر مکھ نظارے  
 چار و پنجمن پھر چار مقیمی باطن دی حُب لاوَن  
 چار صفائیوں لاکھاں و دھڑے سینے صاف شہارے  
 واحد دی حُب و وحدت اندر کل خیال بھلاوے  
 نظر قوی پھر ملے تاں جلدی نظر ضعیف سارے

آپؐ جہاں بنی نوع انسان کی رہنمائی اپنی تقاریر و تبلیغ میں فرماتے  
وہاں خود عملی نمونہ پیش کر کے ایک انقلابِ عظیم کی رہنمائی کر دیتے۔ اُس دورِ غلامی  
میں جب انسان ہر طاقتور کو اپنا آخری وسیلہ تک سمجھتا تھا اور اُس کے قُرب  
کو اپنی عظمت اور خوشحالی کی علامت جانتا تھا، آپؐ نے ہر قدم پر حکمرانوں اور  
صاحبِ اقتدار لوگوں کو اپنے دربار سے دور ہی رکھا۔

چنانچہ اس وقت کے والی پونچھ مہاراجہ بلدیو سنگھ کو جب آپؐ رحمۃ اللہ  
علیہ کی منزلت، عظمت اور روحانیت کے عروج کا علم ہوا تو اُس نے آپؐ سے  
ملاقات کا عزم کر لیا اور ہر چند کہ راجہ پونچھ کے پیغامات بغرض ملاقات آتے۔ آپؐ  
اسے ہر حیلہ سے ٹال دیتے اور کسی طرح بھی اس سے ملاقات کے لئے رضا مند نہ ہوتے  
تو راجہ خود چل کر سورن کوٹ آیا اور اکابرینِ پونچھ اور آنحضرت کے کُنبہ کے معززین  
سے کہلوا بھیجا کہ میں آپؐ کے دیدار کا مشتاق ہوں اور اگر آپؐ مجھے ملاقات کا شرف  
بخشیں تو میں ایک بڑی جاگیر آپؐ کے نام منظور کروں گا۔ چنانچہ آپؐ باسوا اللہ ہر شے  
سے کنارہ کش ہو چکے تھے اس لئے یہ کہلوا کر بالکل انکار کر دیا کہ میں خلوت نشینی میں ہوں  
اور عبادتِ الہی میں مشغول ہوں لہذا نہیں آسکتا۔

غرض اسی طرح آپؐ نے اپنے روحانی انوار سے اس زمانے کے تمام  
اندھیروں کو پا مال کر دیا اور اپنی تمام عمر قُربِ الہی، محبتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ  
وسلم میں بسر فرمائی۔ فنا فی الرسولؐ اور فنا فی اللہ کی منازل کے کئی نظارے  
آپؐ کے سالکین اور مریدانِ خوش نصیب نے اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھے  
الغرض آپؐ ایک عالمِ فاضل، کاشفِ اسرارِ نہانی، پرہیزگاری و تقویٰ میں یکتا  
تھے۔ جو کلام آپؐ کی زبانِ مبارک سے نکل جاتا فوراً ہی پورا ہو جاتا۔ آپؐ نہایت



حسین، شیرین کلام، خوش الحان، صابر، غوثِ زمانہ تھے۔ آپ کی مرغبت بارگاہِ ایزدی میں نہایت ہی مقبول تھی۔ استغراق کی حالت میں بعض اوقات ایسے بھی آتے کہ کبھی آپ جائے مراقبہ سے غائب ہو جاتے اور کبھی جسم کے اعضاء الگ ہو کر بکھر جاتے۔ کبھی مانندِ پارہ چمک دار نور کی شکل میں رہ جاتے۔

• — (مخزنِ اسرار صفحہ ۳۶، ۳۷)

آپ سلسلہ قادریہ میں روحانی، عملی، ظاہری اور باطن سے نیابتِ بغداد پر فائز تھے۔ لیکن آپ کو حضرت امام الاولیاء، قطب الاقطاب، جامع کمالات، سرِ عارفان، شہنشاہِ نقشبندیاں، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ نے خواب میں تشریف لاکر اپنی جانب سے بھی تاجِ خلافت آپ کے سرِ مبارک پر رکھا اور اپنی زبان سے **هُوَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ** کے اسماءِ نور سے آپ کو مزین فرمایا کہ آپ کو ظاہری سند بھی ایک مردِ سالک کشمیر سے ہوگی۔ ان سے ملاقات کرو۔ اسی امر کی تائید و تاکید آپ کے مُرشد سائیں فتوح الدین صاحب نے تین بار خواب میں آکر فرمائی اور آخری بار آپ کا ہاتھ پکڑ کر حضرت قبلہ بابا عبد اللہ صاحب یعنی باواجی صاحب لارویؒ کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ یہ سلسلہ نقشبندیہ میں قطب ہیں۔ ان سے ملاقات کرو۔ تمہاری امانت ان کے پاس ہے، وہ حاصل کرو۔ چنانچہ مطابق بشارتِ استمراری آپ کافی لوگوں کے ہمراہ لار شریف کیلئے عازم سفر ہوئے۔ ملاقات ہونے پر بے لگیر ہوئے اور خواب میں جو حلیہ اور لباس دیکھا تھا وہی پایا۔ چنانچہ اس امانت کا ذکر خود حضرت باواجی صاحب لارویؒ نے اپنی زبان سے فرمایا۔ مطابق ارشاد حضرت باواجی صاحب لارویؒ نے کُلاہ و دستارِ مبارک حضرت مولوی صاحبؒ کے سر پر رکھی اور حضرت باواجی صاحبؒ نے اللہ فرمایا

تو محفل کے سب لوگ بے ہوش ہو گئے اور محفل میں جن لوگوں کو ہوش تھا انہوں نے یہ عجیب منظر دیکھا کہ اس عالم استغراق میں حضرت باوا جی صاحب کے دو وجود ہو گئے۔ ایک مشرق اور دوسرا مغرب کی طرف اور حضرت جناب مولوی صاحب کے چار وجود ہو گئے۔ جو مشرق، مغرب، شمال اور جنوب کی طرف نظر آنے لگے اور پھر جب حضرت باوا جی لاروی صاحب نے دوبارہ "اللہ دہرایا تو سب محفل کو ہوش آگیا۔ اس طرح آپ قادری کے ساتھ ساتھ نقشبندی طریقہ خلافت پر بھی مامور ہو گئے۔ اس کے بعد ان دونوں حضرات کی ملاقاتوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔

● — (مخزن اسرار ص ۵۱-۵۳)

**وفات** | آپ کی وفات پر بھی جو عجائب و غرائب ظہور پذیر ہوئے وہ اس امر کے شاہد ہیں۔ یہ جناب سید محمد مقبول شاہ صاحب بخاری فرزند اصغر آنجناب کی زبانی اور تحریر کے مطابق اور بزرگان علاقہ جن میں سے کچھ اس دنیا سے فانی کو چھوڑ گئے ہیں اور کچھ تاحال زندہ ہیں، جن سے میری وقتاً فوقتاً بات چیت ہوتی ہے اسے اخذ کئے گئے۔ بلکہ اس وقت جب ہندوستان غیر منقسم تھاکے اختلافات نے بھی ان سے چند واقعات کو ضبط تحریر میں لایا ہے۔

۲۶ دسمبر ۱۹۱۹ء کی صبح بعد از فراغت نماز چاشت بروز بدھ مطابق ۱۳ رجب بکرمی تہتر سال کی عمر میں آپ واصل بحق تعالیٰ ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ہ جب اس دن آپ نماز چاشت سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ سید سلیمان شاہ کو بلاؤ۔ انہیں بلایا گیا تو سید سلیمان شاہ اور ان کے ساتھیوں، سید باغ حسین شاہ پوٹھوالے اور سید معصوم شاہ صاحب اور دیگر اہل خانہ حاضر تھے۔ تمام کمرے میں خوشبو کی مہک اور نور پھیلا ہوا تھا۔ آپ نے سب کے لئے



دعا فرمائی اور اسم ذات کا ورد کرتے ہوئے آنکھیں بند کیں جیسے سو رہے ہوں۔ آپؐ کی وصیت کے مطابق راقم الحروف کی حقیقی چچی کے والد میاں سخی محمد آف سورنکوٹ نے غسل دیا۔ دوسرے دن مزید اقرباء اور مریدوں کے آنے پر جنازہ اٹھایا گیا۔ صفیں کھڑی ہوئیں۔ تو یہ منظر دیکھا گیا کہ نماز جنازہ کے لئے نورانی لوگوں کی ایک صف زمین سے اوپر خلا میں کھڑی دکھائی دی۔ نماز جنازہ کے بعد شمال کی جانب سے ایک نورانی شعلہ آیا۔ جس سے تمام علاقہ منور ہو گیا اور تدفین سے قبل ایک اور نورانی شعلہ مغرب کی جانب سے ظاہر ہوا۔ جس کا ایک سرا قبر مبارک کے اندر تھا اور دوسرا آسمان میں۔ ان واقعات سے ظاہر ہوا کہ شمال یعنی قطب سے حضرت پیران پیر حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے آپؐ کو اپنے نائب کے طور پر نوازا تھا، نے پہلے اپنے نور سے ہم آغوش فرمایا اور پھر مغرب کی جانب سے حبیب خدا، تاجدار مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ختم الرسل رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نور میں سمو لیا۔

**تصانیف** | آپؐ کا کلام بشکل کلام تلمیذ الرحمن مندرجہ ذیل کتابوں پر بھیلا ہوا ہے، جن میں مطابق تحقیق جناب سید مشاق احمد شاہ بخاری پوتانا حضرت موجودہ ایم۔ ایل۔ اے سورنکوٹ آپؐ نے کل ملا کر تیرہ ہزار اشعار کہے ہیں، مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں پر مشتمل ہیں :

۱، تفسیر سورہ فاتحہ -

۲، تاج الملوک -

۳، تحفہ پنجتن ذوالمنن -

۴، رسالہ ربط القلب بالشیخ -

## (۵) سراج القصص

متذکرہ صدر کتب میں اول الذکر چار کتابیں غیر منقسم ہندوستان میں لکھی گئیں اور لاہور میں طبع ہو کر شائع ہوئیں، جو تقسیم ملک کے بعد سے دستیاب نہیں۔ البتہ آخری کتاب ”سراج القصص“ جو آپ کا آخری کلام ہے اور پہاڑی زبان میں ہے، اب ان کے پوتے جناب سید مشتاق احمد شاہ ایم۔ ایل۔ اے نے ترتیب دے کر طباعت کے لئے بھیج دی ہے۔

**سراج القصص** | یہ حضرت یوسف علیہ السلام اور عشقِ زلیخا کا وہ لافانی اور روحانی واقعہ ہے جس کا ذکر قرآنِ پاک میں سورۃ یوسف بلکہ کئی دیگر سورتوں میں انسانوں کی رہنمائی کے لئے موجود ہے اور جسے آپؐ سے قبل بھی کچھ شعرا کرام نے مثنوی کی صورتوں میں پیش کیا ہے۔ لیکن آنحضرتؐ نے جس عالمانہ اور روحانی انداز میں پیش کیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ کیونکہ آپؐ کو عشقِ حقیقی کے زمانہ اضطراب میں معرفتِ حقیقت اور عشقِ الہی کے عملی مراحل میں گزرنے اور عالمِ انسان کے لئے ایک حقیقی راستہ تعین کرنے کیلئے خود حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں جلوہ افروز ہو کر ارشاد فرمایا تھا۔ اس لئے ایک ولی کامل کا کلام وہ مقام رکھتا ہے جس کی غرض اللہ تعالیٰ کو امتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر منظور تھی۔

آپؐ نے اپنی تصنیف میں مناجات، حمد، نعت، منقبت، سلام، غزل، مقولہ وغیرہ قسم کی تمام اصناف پر مکمل طور پر طبع آزمائی فرمائی ہے۔ کلام میں روحانیت، تصوف، مقامِ توحید، مقامِ نبوت اور عشقِ حقیقی کے منازل کو کما حقہ اُس چابکدستی سے پیش کیا گیا ہے کہ قاری پر انوارِ حق مارانِ رحمت کی طرح نازل ہوتے ہیں اور



اسے پڑھ کر قاری کی دنیا ہی بدل جاتی ہے۔

### حمد کے چند اشعار

ذات تیری نوں زیبا دائم فخر تکبر سارے  
 ڈھیر غرور تکبری والے وچہ تیرے دربارے  
 کُنْت کُنْزاً مَخْفِیاً واجود تدھ امر سنایا  
 اسد ابھیت تمام مخفی عارف لوکاں پایا  
 گوناگوں بنائی خلقت فرقوں فرق تمامی  
 دکھو دکھری شکل شباهت جو خصال ملای  
 جوں ہزار اٹھاراں چہڑی ہے مخلوق الہی  
 سب چیزاں دی دکھو دکھری صورت کُل بنائی  
 شہنشاہ جہاناں ولے در پر کرن گدائی  
 فانی شاہ تمام جگت دے تیری ذاب بقائی  
 کوئی کم نہ مشکل تینوں کافی اشارہ  
 اکو کن دے لفظوں کیتا پیدا عالم سارا

### نعت شریف کا نمونہ

واہ سرور سلطان امت داتا ج شفاعت والا  
 نعت بیاں قرآن شریفوں ظاہر شان نرالا  
 باعث جسدی وچہ جہاناں خلقت ہستی پائی  
 اسدی خاطر عظمت برکت ہے سب کارروائی

جے اوہ ذاتی نور مبارک ازل ظہور نہ پاندا  
 آدم نوں کوئی خواب عدم تھیں نہ سی مومل بنگاندا  
 بعد خداوند بزرگ سمجھو ذات مقدس عالی  
 طہ تے یس مزمل کوثر شان کمالی  
 صدر امام تمام پیغمبراں عرش نشین پیارا  
 معہ نعلین عرش تے چڑھیا عزت شاں پیارا  
 جبرائیل وکیل مقرب جدا چاکر بردا  
 بوہے تے درباری کردا تابعدار امر دا  
 یوسف جیسے حسین ہزاراں زلف اوہی تھوں گھولے  
 سوسلیماں رُلن وچہ قدماں بن بن بردے گولے  
 عیسیٰ موسیٰ ہو پیغمبر سکدے وانگ غلاماں  
 وچہ معراج سلامی ہوئے پایا دید تماں

### مدح حضرت پیران پیر میراں محی الدین جیلانیؒ

چتھے کوئی پکارے اُس نوں صاحب حال صفائی  
 انشاء اللہ مدد پہنچے اس وچہ شک نہ کائی  
 کل دلیاں نے قدم اُہدے پٹھ گردن خوب جھکائی  
 فخر تماں حاصل کیتا واہ اُسدی وڈیا تی  
 جس چیزے پر نام نساڈا جو کوئی شوقوں پڑھدا  
 نہ اک ساڑے نہ جل روٹھے پانی اندر تردا



تیرا نام لیا دکھ جاوے نہ تیرے خوشی کمالوں  
 لکھ آفات نہ نیڑے آوے تیری دہشت حالوں  
 وجہ دربار جناب نبی دے تیریاں نازاں عالی  
 کئی ہزار کرامتیں جگوچہ ظاہر حال کمالی  
 جس تے رحم کمایا شاہِ شان بلند رکھیندا  
 جس تے قہر کیتا تندرہ قہروں گیا جہنم و سہندا  
 سبب تالیف کتاب کے متعلق یوں فرماتے ہیں ۛ  
 آیا سنے شخص اک نوری چڑھیا شمس کمالوں  
 منہ تے سورج لاٹاں، رے کروا امر مقالوں  
 اکھیوں اٹھ اے شائقِ خوابوں آیا حکم وصالوں  
 کہ تصنیف یوسف واقصہ عشق زلیخا حالوں  
 ”میں ہاں یوسف مصرے والا حکم سناؤں آیا  
 کشتی عیب گناہ دی ڈالوں پار نکھالوں آیا  
 میرے درد دکھاں واقصہ سارا جوڑ سائیں  
 تے پھر سوز زلیخا ولے گن گن سینے لائیں“  
 ہوئی تسلی دل میرے وجہ رب چاہے تاں جوڑاں  
 قصہ سوز زلیخا والا حکم قرآنوں لوڑاں  
 حسن یوسف کا ذکر بزبان زلیخا اس طرح فرماتے ہیں ۛ  
 سوہناں قد مثل شمشادے سرو غلام سراوے  
 حوراں جہاں نہیں جھل سکن تک آرام نہ آوے

ممکن زلفاں رخساراں تھیں مثل زنجیرِ حریراں  
 پاکمند عقلِ نوں بدھا وہی بچا ہی تقدیراں  
 لشکاں مارے نورِ متھے تھیں مثل لاٹھ چڑھے آسمانی  
 دینیبہ چن لو کر خاص کہاؤں دیکھ لگے حیرانی  
 ابرو ناگ کماناں یا جیوں وچہ مہراب مستیاں  
 خوشبو مثلِ عطرِ کستوری دلبر دیا جمیعتاں  
 سرمہ لاٹ دو نرگس چشموں مارے تیر خدنگی  
 لاوے سانگ جگر دلبرِ نوں آبرو آہے جنگی  
 لعل لباب دو مسکراؤں شکر لباب تھیں پوندی  
 مونہوں مٹھے بول اتارے گل جاں ظاہر ہوندی

آپ کے لیے ہوئے باراں ماہ کے ایک بار ہویں مینے کی ہم بھی انہیں محسوسات میں  
 غرق ہو کر تاثیر دیکھیں ۛ

پگن بچا ہی غم دی بچاتی رُور و چشماں گیتاں  
 واہ عشقا حُب تیری اندر دکھ مصیبتاں پیاں  
 رہا نہ نیندر چشماں اندر چلیا زور و جودوں  
 جے اک واری ملے پیارا بُو ہو واں نابودوں  
 سوہنیاں نیناں والیا آنوس لگی دیر وصالوں  
 میں مرنکی درواں سُکئی تیرے ہجر کمالوں  
 نہ کر دیراں بہت ہسیراں چھم چھم ہنوں کیراں  
 آمل جانی ماہِ اسمانی جھلے ہجر بہتیراں



آمل مہلا دلبر چھیلا بے حد سہجستیاں  
 باہجھ دیدار قرار نہ آوے ہوئی حال سودائیاں  
 جھلے دُکھ شمار ہزاراں بات نہ کچھی یاراں  
 درد فراق تیرے وجہ سبناں گئے مہینے باراں

آپ نے جہاں آج کے ہر انسان کو ہر برائی عیب اور گمراہی سے باز رکھ کر اسکے  
 قلب کا تار اپنے پیروم شد کے ذریعے رحمتِ دو عالم سے جوڑ کر خدائے لم یزل  
 کا خوف پیدا کرنا تھا۔ تاکہ پورے نوعِ انسانی کے اندر ایسی محبت، اخوت، الصاف،  
 تقویٰ اور اس مکار اور فانی دنیا کے پھندوں اور داؤ پیچ سے آزاد ہو کر ایک با عظمت  
 اور پُر امن زندگی گزارنے کے جذبات اور احساسات بیدار ہو جائیں۔ چنانچہ زلینجا  
 کی طرف سے جو دایہ حضرت یوسفؑ کو اپنے مکر کے جال میں پھنسانے کے لئے بھیجی  
 گئی تھی، اُسے دم بخود واپس بھاگنے پر مجبور کر کے فرماتے ہیں۔

کالی بڈھی مکراں والی لقیہ قد لمبیرا  
 چٹے وال پرانی جوگن مکروں پاوے پھیرا  
 نیلی چشم چٹے بھر مٹے سخت ڈراون والی  
 بڑی مکارہ دنیا تازی عجب شکیلہ کالی  
 دسے جوان تے ہے اے بڈھی بھیس عروسی لایا  
 بن کے تازی لکھتا تائیں اس نے مار گویا  
 بڑی پرانی ڈا این بھاری جو اس دے ہتھ آوے  
 دس کے شکر شہد پیلے آخر زہر پلاوے  
 باہروں چٹی اندروں کالی ہرنول بھلو کپاوے

ٹھگ فرہیوں مایہ والی سب نول لٹ لے جاوے  
 ہے فانی تے نت داجیون ہر نول آس لگاوے  
 چار دناں دے جینے کارن نت داجین گنواوے  
 ایسی سوہنی بن کے ٹھکری چنگیاں ہوش بھلاوے  
 ظاہر عجب عروس تے باطن ڈاٹن بن کے کھاوے  
 جیونکر سب مرلیہ ظاہر سوہنا نظری آوے  
 جان منہ لارے ڈنگ چلاوے زہراں چاہڑ مارے  
 فرعونے دے تخت اُٹاٹے اندر نیں روہڑاٹے  
 قارونے دے کئی خزانے مٹی وچہ ملاٹے  
 دے سب لارے بھوٹے کارے وچہ زریں کھپاٹے  
 اوڑک ساتھ نہ گئی کسے دے جاں اوہ لہ سدھاٹے  
 ایہ نہ سنے نصیحت پندوں رکھے کن دورا ہڈے  
 توڑ کھانی شاہ جیبا کچھ نہیں دس اساڈے

آپ کا عرس مبارک ہر سال پوہ مہینہ بکرمی کی ۱۳ تاریخ کو بڑے  
 احترام کے ساتھ منایا جاتا ہے، جہاں دور و نزدیک کے ہزاروں معتقدین شمولیت  
 کرتے ہیں۔

آپ کی اولاد | آپ کے دو فرزند ان ارجمند حضرت سید جماعت علی شاہ صاحب  
 مرحوم اور جناب الحاج سید محمد مقبول شاہ صاحب بخاری، جو آج بھی بعافیت  
 ہیں۔ سید جماعت علی شاہ مرحوم ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۷ء تک تقریباً چودہ سال  
 لگاتار سورنگوٹ کے ممبر بمجلسیٹو اسمبلی بلا مقابلہ منتخب ہوتے رہے، جنہوں نے



اس علاقہ کے عوام کی بہت خدمت کی اور ۱۹۶۷ء میں اس دارفانی سے دارالبقاع کی جانب کوچ فرما گئے۔ ان کی اولاد میں خدارسیدہ افراد موجود ہیں۔ جن میں ڈاکٹر ممتاز حسین شاہ بخاری اور سیدہ آفتاب حسین شاہ بخاری عام خلائق کو اپنے روحانی اور حکمت کے فیوض سے مالا مال کر رہے ہیں۔

جناب الحاج سید محمد مقبول شاہ صاحب بخاری قادری ایک جید عالم باعمل ہیں جنکے روحانی فیوض سے آج بھی ایک زمانہ مستفیض ہو رہا ہے۔ آپ کے مریدوں کا دائرہ ریاست جموں و کشمیر سے باہر تک پھیلا ہوا ہے۔ انکی اولاد میں جناب سید مشتاق احمد شاہ صاحب بخاری ایم۔ ایل۔ اے ۱۹۶۷ء میں سونکوٹ سے بھاری اکثریت لے کر منتخب ہوئے۔

خداوند متعال



تہذیب



مکتبہ اسلامیہ دارالافتاء

کلچرل اکادمی

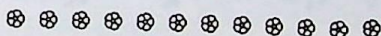
اور

ملک بھر کے نامور علمی اور ادبی اداروں

کی مطبوعات

خریدنے کے لئے تشریف لائیے

کتاب چکھر



مولانا آزاد روڈ سیکرٹری





